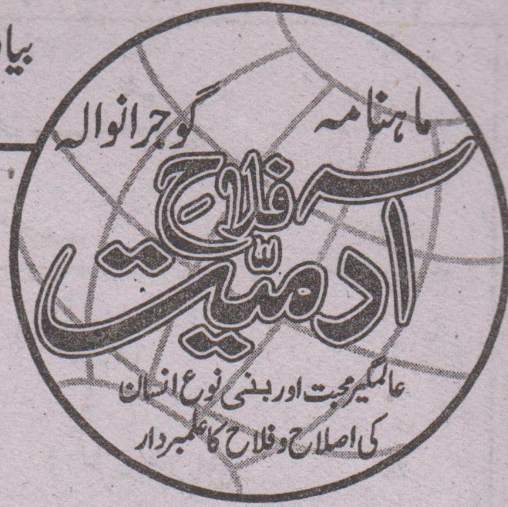
جلد 11 شمارہ 9 جولائی 2009ء رجب 1430ھ

اشاعت خاص! بیاد قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ



ماہنامہ

فلاحِ آدمیت



بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

نگران وسرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا

نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاؔد

تقسیم کنندہ : میاں علی رضا

ڈیزائنگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق

شیخ سلسلہ ومدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سکینڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-3003304

رابطہ مدیر : 0321-6400942

فیکس نمبر: +92-55-3736841

ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ________ -/20 روپے

سالانہ فنڈ ________ -/200 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

دل کی بات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سلسلہ توحیدیہ سے منسلک سب بھائیوں کو بابا جان خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا یوم پیدائش (29 جولائی) مبارک ہو۔ اس ماہ کا شمارہ خصوصی طور پر بابا جی کی یاد (انکی تعلیمات کی روشنی میں) کیلئے شائع کیا جا رہا ہے ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ "جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں بن سکتا" اِس لئے ہمارا یہ فرض ہے کہ اپنے موجودہ شیخ اور بانی سلسلہ کی محبت کو اپنا شعار بنائیں، اس راستے کے ذریعے ہم اللہ کی محبت و معرفت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ہر بھائی روزانہ ذکر کے بعد جب بزرگوں کی ارواح کو ایصال ثواب کرتا ہے تو ایک طرف تو وہ ان کا شکریہ ادا کر رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ مشق اُن بزرگان سے محبت میں اضافے کا سبب بھی بنتی ہے۔

خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ کتنے بڑے آدمی اور اللہ کے کتنے محبوب تھے اسکا حقیقی اندازہ تو روزِ قیامت ہی ہوگا۔ مگر جو لوگ انکی دی ہوئی تعلیم پر عمل کر کے بارگاہ ایزدی میں مدارج حاصل کر چکے ہیں وہ یقیناً یہیں ان کے مرتبے سے شناسا ہو چکے ہیں۔

بابا جان حقیقی معنوں میں ہمارے لئے مسیحا کا درجہ رکھتے ہیں انکی دی ہوئی حیات افروز تعلیم نے مردہ روحوں کو اللہ کی معیت سے زندگی بخشی۔ زندگی کا مقصد بھولنے والوں کو (جنہیں قرآن کالانعام کہتا ہے) از سر نو مقصد حیات یاد دلایا۔ اسفل السافلین سے نکال کر دوبارہ احسن تقویم کی صف میں لاکھڑا کیا۔ بابا جان نے فرمایا کہ کسی چور اُچکے، شرابی، زانی اور گمراہ شخص کو اللہ کا محبوب بندہ بنا دینا ہی سب سے بڑی نیکی ہے۔ مگر یہ کام خالی خولی تقریروں سے نہیں ہوتا بلکہ آپ نے خود فرمایا کہ اسکے لئے پیر کو اپنی روح کا رس پلانا پڑتا ہے تب کہیں جا کر عرصہ دراز کے بعد یہ تبدیلی واقع ہوتی ہے اور (یہ حقیقت میں وہی کام ہے جو نبی کریم ﷺ نے عرب کے اُس جاہل معاشرے میں کیا) یہی قبلہ انصاری صاحبؒ کی مسیحائی ہے۔ اور میں بذات خود اس بات کا شاہد ہوں آج بھی ہمارے سلسلے میں واقعتاً ایسا ہوتا ہے

بابا جان قبلہؒ کی شخصیت کا ایک اور کرشماتی پہلو نئے ''سلسلے'' کا قیام ہے اور ایسا سلسلہ جو بالکل قرآن و سنت کی تعلیم کے عین مطابق ہو اور اس مشینی دور کے تمام تقاضوں کے باوجود اسکی تعلیم انتہائی سہل ہو اور نتائج سو فیصد ہوں تو یہ کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے بابا جان نے خود فرمایا کہ صرف تین ماہ سالک صدق دل سے تعلیم پر عمل کر کے دیکھ لے اسکے نتائج سے خود آگاہ ہو جائیگا۔

آج بھی سلسلہ توحیدیہ میں مقدار کی بجائے معیار کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور بابا جان قبلہؒ کے فرمان کے مطابق (لوگ پیر Test کرتے ہیں میں مرید ٹیسٹ کرتا ہوں) مریدین کو چھ ماہ کی ٹریننگ سے گذار کر مرید کرنیکا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ انسانی شعور ہر آن ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ معاشرے کے چند افراد جنہیں ہم جینئیس (Genius) کہتے ہیں کئی سو سال آگے کی ذہنی اپروچ کے حامل ہوتے ہیں اور بابا جان قبلہ ڈار صاحب فرماتے ہیں کہ جوں جوں لوگوں کا شعور بلند ہوگا توں توں لوگ اس تعلیم کی اہمیت سے آگاہ ہوتے جائیں گے۔

بابا جان انصاری صاحبؒ کو جب سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں انکے شیخ مولانا کریم الدین احمدؒ نے سونا بنانے کا نسخہ کیمیا دیا تو آپ نے اسکو کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور فرمایا کہ مجھے سونا بنانے والی فقیری سے کوئی سروکار نہیں۔

اس لئے اس سلسلے کی تعلیم حقیقتاً نسخہ کیمیا سے زیادہ قیمتی اور اعلیٰ ہے۔

بابا جان انصاری صاحبؒ کی بے نیازی اور سلسلہ کی تعلیم کی ایک بہت ہی نمایاں خصوصیت اسکا وراثتی نہ ہونا ہے۔ آپؒ کے فرمان کے مطابق شیخ سلسلہ آپکے خاندان کی بجائے سلسلہ کے ممبران میں سے چنا جائے گا اور بعد میں بھی یہی اصول ایک قانون کی حیثیت سے اپنی وصیت میں درج کیا۔

سلسلہ توحیدیہ کا سب سے امتیازی پہلو جو اُسے موجودہ دور کے تمام روحانی سلسلوں سے ممتاز کرتا ہے رویت باری تعالیٰ اور ذات بحت تک رسائی ہے اور الحمدللہ آج بھی ہمارے سلسلے میں اس مقام کے حامل بزرگ موجود ہیں۔

بابا جان تو اپنا مشن اور فرض ادا کر گئے بلکہ آج بھی کسی نہ کسی صورت میں ادا کر رہے ہیں۔ مگر ہمارے لئے سوال یہ ہے کہ کیا ہم سلسلہ کی تعلیم پر کماحقہٗ عمل کر رہے ہیں؟

سلسلہ سے منسلک ہونے پر ہم نے جو بیعت کی تھی اس کی شرائط پر کہاں تک عمل کیا؟ تزکیہ اخلاق، ذکر، مجاہدات، ہمارے معاملات، حلقہ سے تنظیمی وابستگی کس نہج پر ہیں۔

اگر تو ہم یہ کام کر رہے ہیں تو ہم خوش نصیب ہیں اور دونوں جہانوں میں اللہ، رسول اللہ اور بابا جانؒ کی طرف سے داد کے مستحق ہیں اور اگر جواب نہیں میں ہے تو یہ ہمارے لئے بدنصیبی کی بات ہے کہ ہم قبلہ انصاری صاحبؒ اور بابا جان ڈار صاحب کی محبت کا حق ادا نہیں کر رہے اور اتنی بڑی نعمت کی ناشکری اور ناقدری کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے اپنا یہ رویہ نہ بدلا تو خدانخواستہ ہم دونوں جہانوں میں کسی وبال میں نہ پھنس جائیں۔ اللہ ہمیں اس حالت سے محفوظ فرمائے اور قبلہ بابا جانؒ کی پیار بھری تعلیم پر دل و جان سے عمل کرنیکی توفیق دے اور بابا جانؒ کو اپنا مزید قرب اور پیار عطا فرمائے۔ آمین۔

والسلام

خیر اندیش!

مدیر فلاح آدمیت گوجرانوالہ

گلہائے عقیدت

(در مدح حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری دام برکاتہم بانی سلسلہ توحیدیہ
رشحات قلم ڈاکٹر غلام ربانی صدیقی توحیدیہ جدید پشاور)

توحیدیوں کی روح رواں جان آرزو
پائی تیری نظر سے غلاموں نے آبرو
برسوں کشاں کشاں لئے پھرتی تھی کو بہ کو
اِک نازنین عرش معلٰی کی جستجو
اب آ گیا ہوں در پہ لئے دل میں آرزو
ہو جائے آج چاک گریباں مرا رفو

اے زندہ دار محفل وحدت سلام ہو
مسکین و بے نوا سے کبھی ہمکلام ہو
دور طویل شام غریباں تمام ہو
ساقی مجھے بھی اب تو عطا ایک جام ہو
صہبائے معرفت سے بھرا ہے تیرا سبو
محفل میں ایک فقیر کی رکھ لے تو آبرو

وہ غالب و حکیم تو عبدالحکیم ہے
نازاں تیرے دروس پہ عقل سلیم ہے
تعلیم کیا ہے تحفہ خلق عظیم ہے
عشق خدا ہے حب رسول کریم ہے
جب طالبان حق سے تو ہو محو گفتگو
ہوتا ہے ذکر عالم بالا میں سو بہ سو

تیرے غلام رہتے ہیں دن رات باوضو
جاری دل و زبان پہ ہے اللہ تو ہی تو
صورت جو دیکھئے تو فرشتوں سے خوبرو
سیرت نیاز و خلق سے معمور نیک خو

یہ طالب و مرید جن کا ہے پیر تو
تیرا پتہ دے سکیں اہل مقام ھو
ہو جائیں جو بھی تیری غلامی میں شاد کام
ہو کر غلام ان کا ہے اونچا بڑا مقام
دونوں جہاں میں ہو گئے خوش بخت نیک نام
برسا کیئے ہے ان پہ سدا رحمت تمام
گر گر کے آستاں پہ جو ہوتے ہیں سرخرو
ان کی نظر میں ہیچ ہے دنیائے رنگ و بو
خواجہ میرا شفیق بڑا دل نواز ہے
درد شکست دل کا وہی چارہ ساز ہے
میں کیا کروں نہ دم ہے، صدا ہے، نہ ساز ہے
کوتاہ زندگی کی شب غم دراز ہے
للہ اب نظر ہو اے منظور وحدہ
در پہ پڑا فقیر ہے کشکول درگلو
جس میکدہ میں جام نہ خالی کبھی رہے
پھر کیوں کسی کو شکوہ تشنہ لبی رہے
دل کی لگی، لگی ہے تو یا رب لگی رہے
یہ دل لگی نہیں ہے، لگی ہے، جلی رہے
اس آگ میں بہار گلستان مشک بو
جلتے ہیں اس میں طالب و مطلوب دو بدو
اے قبلہ ام نگاہ کرم کا سوال ہے
ساکت تیرا غلام ہے کیوں خستہ حال ہے
للہ اب نظر ہو اے منظور وحدہ
ہو جائے چاک آج گریباں میرا رفو
توحیدیوں کی روح رواں جان آرزو
پائی تیری نظر سے گداؤں نے آبرو

(یہ نظم بانی سلسلہ کی حیات مبارکہ میں ان کی مجلس میں پڑھی گئی تھی)

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ (ایک تاریخ ساز شخصیت)

محمد صدیق ڈار توحیدی

حضور سید الانبیاء احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری کے ساتھ ہی انبیاء کی بعثت کا طویل سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ صدیوں سے تعمیر ہونے والے حریم نبوت میں جو جگہ خالی تھی وہ خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے پُر ہوگئی۔ آپ پوری انسانیت کیلئے اللہ تعالیٰ کے رسول بن کر آئے۔ اب قیامت تک جو زمانہ ہے وہ آپ ہی کا دورِ نبوت ہے۔ اب کسی بھی قسم کے نئے نبی کے آنے کی ضرورت اور گنجائش باقی نہیں رہی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کسی کو شریک ٹھہرانا ناقابل معافی جرم ہے اسی طرح حضور رحمت اللعالمین ﷺ کی رسالت میں کسی کو شریک ٹھہرانا بھی ظلم عظیم ہے۔ اب دین حق کو عالم انسانیت تک پہنچانے کا مقدس فریضہ اور عظیم شرف اُمت مسلمہ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ اِس لئے حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی شمع رسالت سے فیض حاصل کرنے والے علماء کرام اور صوفیائے عظام اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہر دور میں رُشد و ہدایت کا نور، چار دانگ عالم میں پھیلاتے چلے آ رہے ہیں اور یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

ایسی ہی عظیم ہستیوں میں بیسویں صدی کے عظیم صوفی محقق کامل، عارف باللہ اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی ذات بابرکات بھی شامل ہے۔ آپ 29 جولائی 1893ء کو جوار دہلی کے شہر فرید آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حافظ عبدالرحیم تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ اُمۃ العاشہ سادات خاندان کی نہایت پارسا اور نیک اطوار خاتون تھیں۔ آپ کے دادا جان حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نہ صرف ایک جید عالم تھے بلکہ ایک کامل صوفی، ولی اللہ اور مرد حق آگاہ تھے۔ آپ ایک تعلیم یافتہ اور وسیع النظر بزرگ تھے اور کافی عرصہ لکھنؤ میں سنیئر سب جج کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ کے پردادا بھی عابد و زاہد بزرگ تھے۔ انہوں نے ملازمت کے سلسلے میں کافی وقت ایبٹ آباد میں گذارا اور پھر کرنال سے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ سے ریٹائر ہو کر فرید آباد چلے گئے۔ آپ کے اجداد کا تعلق پانی پت والے انصاری خاندان سے تھا جن کا سلسلہ نسب مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ

سے ملتا ہے۔جن کو مدینہ منورہ میں حضور نبی کریم حبیب خدا ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا بچپن اپنے دادا جان کی گود شفقت میں گذرا جنہوں نے آپکو پانچ برس کی عمر میں ہی نماز، مسنون دعائیں اور قرآن کریم کی چھوٹی چھوٹی کئی سورتیں زبانی یاد کرا دیں۔آپ کی نظر کیمیا اثر اور تربیت کے فیض سے آپ کو تصوف کا جذبہ شوق اور فقراء سے محبت و موانست کا ذوق نصیب ہوا۔آپ پیدائشی ولی اللہ تھے اور بچپن ہی میں آپ سے کرامات کا ظہور ہونے لگا۔لیکن آپ ہمیشہ کرامات سے زیادہ تعلیم کو اہمیت دینے کے قائل رہے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ "ان کرامات میں میرا تو کوئی کمال نہ تھا۔نہ تو میں کسی سے بیعت تھا اور نہ ہی اللہ اللہ کرتا تھا۔اگر مجھ سے خرق عادات اور بزرگی کی علامات کا اظہار ہوتا تھا تو یہ میرے خالق کی قدرت کا کمال ہے۔اس نے جس نہج پر چاہا مجھے پیدا فرما دیا''۔

ابھی آپ نے زندگی کی دس بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ 1902ء میں آپ کے دادا جان کی شفقت کا سایہ آپ کے سر سے اُٹھ گیا۔مگر ان کی تربیت نے آپ کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور توحید کا بڑا گہرا اثر چھوڑا، چنانچہ آپ لڑکپن ہی سے مرشد کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے۔آپ نے بیسیوں بزرگوں اور فقیروں کی خدمت میں حاضری دی۔عجیب و غریب رنگ کے درویشوں اور ملنگوں سے واسطہ پڑا۔بڑی بڑی درگاہوں اور آستانوں کے سجادہ نشینوں کے پاس بھی گئے لیکن کہیں بھی طبیعت نہ جمی۔آپ ''چراغ راہ'' میں تحریر فرماتے ہیں ''مجھے ایک ایسے بزرگ کی تلاش تھی جو صاحب علم، صاحب عرفان اور صاحب تحقیق ہو۔کشف و کرامات دکھانے والے تو بہت مل جاتے ہیں لیکن عارف اور محقق کہاں نظر آتے ہیں''۔

آپ نے رہبر کامل کی تلاش میں تقریباً آٹھ برس صرف کئے تا کہ ان سے بیعت ہو کر باقاعدہ سلوک طے کر سکیں۔آخر کار تلاش و انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور جن خوبیوں کے حامل بزرگ کی آپ کو جستجو تھی ان سے اللہ تعالیٰ نے اچانک اور اتفاقاً ملاقات کرا دی۔ہوا یوں کہ ایک مرتبہ آپ اپنے رشتہ داروں کے ہاں کہیں گئے ہوئے تھے کہ آپکے ایک قریبی دوست شیخ عبدالرحمٰن دہلوی نے بتایا کہ یہاں سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بہت اچھے بزرگ حضرت مولانا کریم

الدین احمد صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں۔آپ وہاں پہنچے تو پہلے ہی دن حضرت مولاناؒ کی خدمت میں چھ گھنٹے حاضر رہے۔آپ کو انکی شریعت کی پابندی، جدید علوم میں کامل دستگاہ، اِنکی نرمی، پیار، تواضع اور خلوص اسقدر دل کو بھائے کہ انہیں کے ہو کر رہ گئے۔حضرت مولاناؒ نے فرمایا بھی کہ دو چار ماہ ہماری صحبت میں رہو اور ٹھوک بجا کر پرکھ لو اور پھر بیعت ہونا مگر قبلہ حضرت نے عرض کیا کہ جو کچھ مجھے دیکھنا تھا وہ سب دیکھ لیا ہے۔خدا جانے پھر وقت اور موقع ملے نہ ملے اس لئے مہربانی فرمائیں اور مجھے بیعت کرلیں۔اس طرح آپ پہلی ہی ملاقات اور پہلی ہی نشست میں بیعت ہو گئے۔آپ کے مرشد حضرت مولانا کریم الدین احمدؒ قصبہ ''دھوج'' کے رہنے والے تھے جو دہلی سے تقریباً 50 کلو میٹر جنوب میں واقع ہے۔مولاناؒ کسی گدی یا خانقاہ کے سجادہ نشین نہ تھے۔قصبے کے باہر ایک کچا احاطہ تھا جس میں تین چار چھپر پڑے ہوئے تھے۔یہی مولاناؒ کا کاشانہ تھا۔دو چار میو خدمت کیا کرتے تھے اور روٹی وغیرہ پکا دیتے اور دوسری خدمات انجام دیتے تھے۔مولانا بہت ہی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔صرف ایک جوڑا کھدر کا رکھتے تھے جو کہ وہ ہر جمعہ کے دن نماز سے پہلے خود دھو کر پہن لیتے تھے۔ہر چھ ماہ بعد ایک نیا جوڑا بناتے اور پرانا کسی غریب کو دے دیا کرتے تھے۔مولانا مشہور بالکل نہ تھے بلکہ ایک گمنام بزرگ اور ہر لحاظ سے کامل فقیر تھے۔وہ قبروں بلکہ بڑے مزاروں پر جانے کو بھی اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔بزرگوں کا احترام کرتے تھے لیکن اللہ کے سوا مشکل کشا کسی کو نہ مانتے تھے۔وہ علامہ اقبالؒ کے بہت بڑے مداح اور حالات حاضرہ پر دقیق نظر رکھنے والے بزرگ تھے۔

حضرت مولاناؒ نے آپ کو چوبیس گھنٹے ذکر پاس انفاس اور کسی ایک نماز کے بعد نفی اثبات یعنی **لا الٰہ الا للّٰہ** کا ذکر تعلیم فرمایا۔تعجب کی بات یہ ہے کہ خاندان نقشبندیہ میں ذکر بالجہر منع ہے لیکن مرشد نے آپ کو روزانہ پانچ ہزار مرتبہ نفی اثبات کا ذکر بالجہر کرنے کا ہی بتایا۔بیعت ہونے کے بعد آپ نے بڑی جانفشانی اور جوش وخروش سے تین برس متواتر اپنے اوراد جاری رکھے۔اسی دوران اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے آپ کے تین لطیفے قلب، روح اور سر روشن ہو گئے اور ان کے دوائر کی سیر بھی میسر آ گئی اس پر حضرت مولاناؒ نے آپ کو اپنی خلافت سے نوازا اور تحریری

اجازت بیعت کرنے کی عطا فرمائی۔اس وقت آپ کی عمر بمشکل 23 برس کی ہوگی اسی وجہ سے مرشد نے اجازت نامہ میں یہ تحریر فرمادیا کہ جب تک چالیس سال کی عمر نہ ہوجائے کسی کو بیعت نہ کرنا۔اس کے ساتھ ہی یہ ہدایت بھی فرمائی کہ اب تم نوافل تہجد پر بہت زور دو اور جس قدر زیادہ ممکن ہو تلاوت قرآن اور تفکر یعنی مراقبے میں وقت گذارا کرو۔اس صحبت کے بعد مرشد سے آپ کی بہت دفعہ ملاقات ہوئی یہاں تک کہ 1920ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔حضرت مولاناؒ کے انتقال کے بعد آپ نے مراد آباد کے رہنے والے سلسلہ چشتیہ کے ایک مشہور بزرگ حضرت محمد قاسمؒ سے بیعت کی اور چشتیہ سلوک بھی طے کرلیا۔ان بزرگوں کے علاوہ آپ کی روحانی ترقی میں سب سے زیادہ حصہ ایک اویسی بزرگ حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ کا ہے جن کے فیض صحبت اور تعلیم وتوجہ سے آپ منزل مراد پر پہنچے۔قبلہ حضرتؒ نے اپنے روحانی سفر کے بارے میں اپنی تصنیف لطیف ''حقیقت وحدت الوجود'' میں تحریر فرمایا'' میں 1911ء میں جب کہ میری عمر اٹھارہ سال تھی خاندان نقشبندیہ کا سلوک پورا کرلیا۔اس سلوک سے طبیعت میں انکسار، تواضع اور کشف وکرامات تو حاصل ہوگئیں لیکن جس مقصد کیلئے بیعت ہوا تھا وہ حاصل نہ ہوا یعنی رویت باری تعالیٰ حاصل نہ ہوئی۔اس کے بعد خاندان چشتیہ میں بیعت کی اور پانچ چھ سال میں یہ سلوک بھی طے کرلیا۔اس سلوک سے طبیعت میں لطافت، اخلاق میں شیرینی، حسن اور جمالیات کا ادراک اور عشق ومحبت کا سوزوگداز تو میسرآ گیا لیکن رویت باری تعالیٰ یہاں بھی عنقا ہی رہی۔اس کے بعد کسی اور سلسلے میں بیعت تو نہ ہوا مگر قادریہ اور دوسرے کئی سلسلوں کے سلوک کا مطالعہ بالاستیعاب کیا۔لیکن رویت کے حصول کا وہاں بھی کوئی ذکر نہ تھا۔اب میں خاموش ہوکر بیٹھ گیا اور کسی لطیفہ غیبی کا منتظر رہا۔آخر کار اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ایک بزرگ سے ملاقات کرادی۔یہ حضرت اویسی تھے۔نہ خود کسی سے بیعت تھے نہ بیعت فرماتے تھے۔اس لئے بیعت تو نہ ہوسکا لیکن ذکر اور فکر اپنے اسی پرانے سلسلے نقشبندیہ کا کرتا تھا۔اس مرتبہ سلوک عجیب طرح سے طے ہوا یعنی ناسوت سے ذات بحت تک سارے راستے گردوپیش کے ماحول کو دیکھتا اور سمجھتا ہوا گذرا۔

یعنی پہلے دوزخ کے طبقات دیکھے پھر علی الترتیب اعراف ،ملکوت ،جبروت ،لاہوت اور ہاہوت کی جنتوں کی سیر کرتا ہوا ھو کے نچلے طبقے میں داخل ہو ۔یہاں مجھ پر وحدت الوجود کی کیفیت طاری ہوئی یہ وہی کیفیت ہے جس کو جناب ابن عربیؒ نے حقیقت فرمایا ہے ۔الحمدللہ کہ میں نے یہاں زیادہ قیام نہ کیا ورنہ میں بھی وجودی ہو کر رہ جاتا ۔جب میں ھو کی اوپر والی سطح پر پہنچا تو وہاں وہ کیفیت نظر آئی جس کو حضرت مجددصاحبؒ نے ظلیت کہا ہے ۔یہاں سے بھی جلدی ہی نجات مل گئی ۔اس کے بعد میں کچھ عرصہ عدم میں رہا لیکن برابر آگے بڑھتا رہا ۔حتیٰ کہ عدم کو پار کر کے عالم امر میں داخل ہو گیا اور آخر کار چھبیس ستائیس برس کی متواتر کوشش کے بعد 1953ء میں اپنے مقصد حیات سے ہمکنار ہوا ۔الحمدللہ جو چاہتا تھا مل گیا''۔

بانی سلسلہ عالیہ تو حیدیہ شخصیت پرستی ،قبر پرستی اور رہبانیت کے سخت مخالف تھے ۔آپ نے ساری عمر کبھی فقیرانہ وضع قطع کا لباس پہنا نہ ہی گوشہ نشینی اختیار کی ۔آپ نے متاہل اور بھرپور زندگی بسر کی ۔گذر اوقات کیلئے آپ نے کاروبار بھی کیا اور ملازمت بھی ۔1920ء میں آپ نے انڈین آرمی میں مترجم کی حیثیت سے شملہ میں ملازمت شروع کی ۔آرمی ہیڈ کوارٹرز دہلی میں بھی کافی وقت گذارا ۔ملازمت کے دوران ہی جب آپ عارضی طور پر بلگام گئے ہوئے تھے تو وہاں اکتوبر 1928ء میں آپ کی ملاقات ایک اویسی بزرگ حضرت رسالدار محمد حنیف خاں صاحبؒ سے ہوئی جن کے بارے میں حضرت مولاناؒ یہ بشارت دے گئے تھے کہ میرے مرنیکے بعد تمہیں ایک دوست ملے گا جس کے پاس تمہارا حصہ ہے اس کی تعلیم اور صحبت سے تمہارے اندر وہ صلاحیتیں پیدا ہو جائیں گی جو جیتے جی اللہ کا دیدار حاصل کرنے کیلئے لازمی ہوتی ہے ۔

قبلہ حضرت کے دادا مرحوم نے خواب میں ان کا نام بھی بتا دیا تھا ۔آپ نے رسالدار صاحبؒ سے بھرپور فیض حاصل کیا یہاں تک کہ وہ 1947ء میں اپنے آبائی قصبہ مہندر گڑھ ریاست پٹیالہ میں شہید ہو گئے ۔

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ 14 ستمبر 1947ء کو دہلی سے ہجرت کر کے بذریعہ ٹرین

لاہور تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس ٹرین کی خصوصی حفاظت کیلئے جو انتظام فرمایا اور ضلع جالندھر کے ''بیاس'' ریلوے سٹیشن پر سکھوں کے حملہ سے محفوظ فرمایا اس کا ایمان افروز واقعہ آپکی تصنیف ''چراغ راہ'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ لاہور کیمپ میں چند ہفتے گذارنے کے بعد آپ اپنے اقرباء کے پاس کراچی منتقل ہو گئے وہاں آپ پاک فضائیہ کے ڈرگ روڈ (شارع فیصل) سٹیشن میں لائبریرین کی حیثیت سے ملازم ہو گئے اور کیمپ کے اندر ہی رہائش کیلئے کوارٹر بھی مل گیا۔ وہاں ہی سے آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر روحانی فیض کے ذریعے مخلوق خدا کی اصلاح و خدمت کے کام کا آغاز فرمایا اور اپنے ملنے جلنے والے احباب کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے چراغ روشن کرنے کی سعی فرمائی۔

1951ء میں پاک فضائیہ کے چند نوجوان طالبان حق کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر سلسلہ توحیدیہ کے کاروان محبت و صداقت کا ہراول دستہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے چراغ سے چراغ جلتا چلا گیا اور آنے والے برسوں میں پاک فضائیہ کی تمام چھاؤنیوں میں اللہ کے ذکر کے حلقے قائم ہو گئے۔ پھر آہستہ آہستہ ائرفورس والوں کے توسط سے یہ روشنی انکے آبائی شہروں، قصبوں اور دیہات تک بھی پہنچنے لگی۔ قبلہ حضرت کا تبادلہ ڈرگ روڈ سے ملیر کینٹ لائبریری میں ہو گیا۔ لیکن 1955ء میں آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور مستقل طور پر تن تنہا بنوں چلے گئے۔ آپ کا باقی خاندان کراچی ہی میں رہا۔ آپ کے چھوٹے بھائی عبدالعلیم صاحب ناظم آباد میں رہائش پذیر تھے وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ قبلہ حضرت کا ایک ہی بیٹا عبدالہادی تھا جو نوجوانی ہی میں فوت ہو گیا۔ آپ کی بڑی بیٹی شمسہ کراچی، منجھلی رابعہ لاہور اور سب سے چھوٹی ہمایوں اسلام آباد میں رہتی تھیں۔ ان میں سے صرف اب ہمایوں باجی ہی حیات ہیں۔ قبلہ حضرت کے کراچی والے داماد خواجہ فخر الحسن نے آپ کی بیعت بھی کی تھی اور شروع شروع میں کراچی کا ماہوار مرکزی حلقہ ذکر ان کی رہائش گاہ ''شمس النہار'' واقع گارڈن ایسٹ پر ہی ہوا کرتا تھا۔ چھوٹی بیٹی کے میاں شیخ امتیاز علی قریشی صاحب کافی عرصہ

تک ہفتہ وار مجالس ذکر اور سالانہ اجتماعات میں شریک ہوتے رہے لیکن سلسلہ میں شمولیت نہیں فرمائی۔ قبلہ حضرت نے اپنے بھتیجے انور علیم انصاری کو گود لے کر بیٹا بنالیا تھا۔ وہ ائرفورس میں ٹیکنیکل آفیسر بھرتی ہوئے اور ونگ کمانڈر کے عہدے پر ریٹائر ہوئے۔ وہ آج کل پی اے ایف آفیسر کالونی شہید ملت روڈ شارع فیصل کراچی میں مقیم ہیں۔

بنوں میں آپ کو متروکہ جائیداد کے عوض محلّہ قصاباں میں مکان نمبر 746-C الاٹ ہوگیا۔ آپ کی خدمت کیلئے عبدالستار خان صاحب اپنے اہل وعیال کے ساتھ اسی مکان میں منتقل ہو گئے۔ بنوں میں آپ نے تجدید تصوف اور مروجہ پیری فقیری کو تمام عجمی آلائشوں سے پاک کر کے قرآن وسنت کے مطابق بنانے کا عظیم کام شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روحانی بصیرت اور اسکی توفیق سے آپ نے حضور نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق تصوف کی تعلیم کو مدون فرمایا اور اسے موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق قابل عمل بنا کر سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد ڈالی۔ وہاں ہی 1957ء میں آپ نے مشہور زمانہ کتاب ''تعمیر ملت'' تصنیف فرمائی جس سے ہزاروں متلاشیان حق نے ہدایت پائی اور اب بھی مستفیض ہو رہے ہیں۔ اسکے علاوہ تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آپ نے مریدین کی ہدایت کیلئے سلسلہ کے اذکار و اشغال اور آداب وقواعد کو ''طریقت توحیدیہ'' کے نام سے قلمبند فرما دیا۔ جہاں یہ کتاب سلسلہ میں شامل بھائیوں کیلئے مکمل ہدایت نامہ ہے وہاں اسے سلسلے کے آئین کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ بنوں ہی میں عبدالستار خاںؒ آپ سے بیعت ہوئے وہ اس وقت بنوں وولن ملز میں سپروائزر کے طور پر کام کرتے تھے۔ انہیں آپ نے 1968ء میں اپنا جانشین نامزد کر کے موروثی گدی نشینی کا قلع قمع کر دیا کیونکہ خان صاحبؒ سے قبلہ حضرتؒ کی کسی بھی قسم کی رشتہ داری نہ تھی۔ اس سے قبل ہی آپ توحیدیہ آئین میں یہ اصول درج فرما چکے تھے۔ کہ سلسلہ توحیدیہ میں خلافت یا جانشینی کا منصب ہمیشہ کیلئے غیر موروثی ہوگا اور کوئی شیخ اپنے کسی بھی رشتہ دار کو اپنا جانشین مقرر نہیں کرے گا خواہ وہ اس کا اہل ہی کیوں نہ ہو تا کہ حلقہ ایک موروثی گدی نہ بننے پائے۔

1964ء میں بھائیوں کے متواتر اصرار اور میاں محمد علی صاحب کی پیار بھری دعوت پر آپ بنوں سے ترک سکونت کر کے لاہور تشریف لائے اور بنوں والا مکان فروخت کر کے رقم بینک میں جمع کرا دی اور اپنے وصیت نامہ میں اپنی وفات کے بعد بیٹیوں میں تقسیم کرنے کے بارے میں ہدایات بھی درج فرما دیں۔ لاہور تشریف آوری کے فوراً بعد آپ چند ماہ فضل بلڈنگ واقع کوپر روڈ اور پھر چھاؤنی کی ایک کوٹھی میں مقیم رہے۔ پھر میاں محمد علی صاحب 1-B-76 المعروف گنبد والی کوٹھی گلبرگ سکیم تھری میں منتقل ہوئے تو آپ بھی ساتھ چلے گئے اور وہاں 1973ء تک تقریباً نو برس قیام رہا۔ اللہ تعالیٰ میاں محمد علی صاحب مرحوم کے درجات بلند فرمائے کہ انہوں نے قبلہ حضرتؒ اور ملنے کیلئے آنے والے مہمانوں کے تمام اخراجات برداشت کئے۔ عبدالستار خانؒ کو اپنی فرم ''ماڈرن کمفرٹس'' میں ملازمت بھی دی اور اپنی کوٹھی میں رہائش بھی مہیا کی۔ لاہور میں ہونے والے تمام سالانہ اجتماعات کا پورا بار بھی خود برداشت کیا۔ قبلہ حضرتؒ زندگی کے آخری چار برس ''آستانہ توحیدیہ'' G-92 ماڈل ٹاؤن لاہور میں رونق افروز رہے۔ لاہور میں ورودِ مسعود کے بعد آپ کے عقیدت مندوں اور اکتسابِ فیض کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور کئی جگہوں پر ہفتہ وار ذکر کیلئے توحیدیہ حلقے بن گئے۔ لاہور میں آپ نے ''حقیقت وحدت الوجود'' تصنیف فرمائی جو اس موضوع پر مختصر جامع، عام فہم اور فیصلہ کن دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ کے فقیر کی محفل میں ہر طبقہ کے عوام اور اہلِ علم و فضل حضرت تشریف لاتے لیکن آپ ہر ایک سے یکساں شفقت کا سلوک فرماتے اور ان کے دکھی دلوں پر مرہم رکھتے اور ہر ایک کو اس کے ظرف کے مطابق نوازتے۔ آپ کی ذات مجسم اخلاق اور سراپا محبت تھی۔ آپ کی محبت کی گیرائی اور گہرائی کا یہ عالم تھا کہ آپ سے ملنے والا ہر شخص یہی محسوس کرتا تھا کہ آپ میرے ساتھ خصوصی پیار کرتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ سلسلہ توحیدیہ کا شعار ہی ''محبت'' ہے۔ آپ بڑھاپے اور علالت کے باوجود سالکین کی ہدایت کے کام سے کبھی نہ تھکتے۔ صبح سے لے کر رات گئے تک وعظ و نصیحت اور تیز بخار کی حالت میں بھی کوئی اللہ کا طالب آ جاتا تو اپنی بیماری کو بھول ہی جاتے اور

گھنٹوں اس سے محوِ گفتگو رہتے آخری دم تک آپ اللہ کی مخلوق کے دلوں میں اللہ کی محبت کی جوت جگانے اور صراطِ مستقیم کی طرف اِنکی رہنمائی کرتے رہے۔

آپ نے 1951ء میں اُمت مسلمہ کی اصلاح کی خاطر یہ تحریک تن تنہا اور بے سر و سامانی کی حالت میں شروع کی۔تقریباً ربع صدی کی لگاتار محنت اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے نتیجے میں آپ تعلیم یافتہ، روشن دماغ اور اہل دل صوفیوں کی ایک منظّم جماعت بنانے میں کامیاب ہو گئے جو اِن کے بعد اِن کی بپا کی گئی روحانی اصلاحی تحریک کو ان کے مرتب کردہ آئین کے مطابق آگے بڑھانے میں مصروفِ عمل ہے۔کوئی بزرگ خواہ کتنا ہی بڑا اور اللہ کا مقرب کیوں نہ ہو آخر کار تو اِسے اللہ کے ہاں واپس لوٹنا ہی ہوتا ہے۔آپ بھی مختصر علالت کے بعد 23 جنوری 1977ء کو بعمر 83 سال اپنے خالق و مالک اور محبوب حقیقی سے جا واصل ہوئے۔ہزاروں سوگوار دلوں اور اشکبار آنکھوں سے انہیں رُخصت کیا اور آسمان سے اللہ تعالیٰ کی رحمت برستی ہوئی پھوار میں لاہور ہی میں سپردِ خاک کئے گئے۔

خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

لبقاء للہ الحی القیوم اِنا للّٰہ وانا الیہ راجعون

حضرت رسالدار محمد حنیف خانؒ

محمد صدیق ڈار توحیدی

''میں 1911ء میں جب کہ میری عمر اٹھارہ سال تھی خاندان نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوا۔ اور سات آٹھ سال کی سخت اور متواتر جدوجہد کے بعد نقشبندیہ سلوک پورا کرلیا۔ اِس سلوک سے طبیعت میں انکسار، تواضع اور کشف وکرامات تو حاصل ہوگئیں لیکن جس مقصد کیلئے بیعت ہوا تھا وہ حاصل نہ ہوا یعنی رویت باری تعالیٰ حاصل نہ ہوئی۔ اِس کے بعد خاندان چشتیہ میں بیعت کی اور پانچ چھ سال میں سلوک بھی طے کرلیا۔ اِس سلوک سے طبیعت میں لطافت، اخلاق میں شیرینی، حسن اور جمالیات کا ادراک اور عشق ومحبت کا سوز وگداز تو میسر آ گیا لیکن رویت باری تعالیٰ یہاں بھی عنقا ہی رہی۔ اس کے بعد اور کسی سلسلہ میں بیعت تو نہ ہوا مگر قادریہ اور دوسرے کئی سلسلوں کے سلوک کا مطالعہ بالاستیعاب کیا لیکن رویت کے حصول کا وہاں بھی کوئی ذکر نہ تھا۔ اب میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا اور کسی لطیفہ غیبی کا منتظر رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ایک بزرگ سے ملاقات کرادی۔ یہ حضرت اویسی تھے نہ خود کسی سے بیعت تھے نہ بیعت فرماتے تھے۔ اس لئے بیعت تو نہ ہو سکا لیکن بیس پچیس سال ان سے فیض کثیر ملتا رہا۔ اب میں فیض تو ان سے لیتا تھا لیکن ذکر وفکر وغیرہ اپنے اسی پرانے سلسلے نقشبندیہ کا کرتا تھا۔ اِس مرتبہ سلوک عجیب طرح سے طے ہوا۔ یعنی ناسوت سے ذات بحت تک سارے راستے گردوپیش کے ماحول کو دیکھتا اور سمجھتا ہوا گذرا۔ یعنی پہلے دوزخ کے طبقات دیکھے۔ پھر علی الترتیب اعراف، ملکوت، جبروت، لاہوت اور ہاہوت کی جنتوں کی سیر کرتا ہوا ھو کے نچلے طبقے میں داخل ہوا۔ یہاں مجھ پر وحدت الوجود کی کیفیت طاری ہوئی۔ یہ وہی کیفیت ہے جس کو جناب ابن عربیؒ نے حقیقت فرمایا ہے۔ الحمدللہ کہ میں نے یہاں زیادہ قیام نہ کیا ورنہ میں بھی وجودی ہو کر رہ جاتا۔ جب میں ھو کی اوپر والی سطح پر پہنچا تو وہاں وہ کیفیت نظر آئی جس کو مجدد صاحبؒ نے ظلیت کہا ہے۔ یہاں سے بھی جلدی ہی نجات مل گئی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ عدم میں رہا لیکن برابر آگے بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ عدم پار کر کے عالم امر میں داخل ہوگیا۔ اور آخر کار 26-27 برس کی متواتر کوشش کے بعد 1953ء

میں اپنے مقصدِ حیات سے ہمکنار ہوا۔الحمدللہ جو چاہتا تھا مل گیا''۔

مذکورہ بالا تحریر حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی ہے اور ان کی کتاب ''حقیقت وحدت الوجود'' سے نقل کی گئی ہے۔اس میں جس اویسی بزرگ سے ملاقات کا ذکر آیا ہے وہ حضرت رسالدار محمد حنیف خاں صاحب تھے۔ان سے آپ کی جس طرح ملاقات ہوئی اس کا ذکر آپ کی محفل میں اکثر ہوتا رہتا تھا۔اپنی یادداشت کے سہارے میں ان کی کہانی انہی کی زبانی سنا دوں تو زیادہ مزہ آئے گا آپؒ نے فرمایا:۔

''جب میں اپنے مرشد حضرت مولانا کریم الدین احمدؒ سے بیعت ہونے لگا تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ تم کس غرض سے بیعت ہونا چاہتے ہو۔میں نے عرض کیا کہ میرے تین مقاصد ہیں،اول روحانی طاقت،دوسرے تزکیہ اخلاق اور تیسرے دیدار باری تعالیٰ اس پر حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ پہلی دو چیزیں تو تم کو میرے ذریعہ سے مل جائیں گی تیسری چیز یعنی دیدار باری تعالیٰ میرے بس کی بات نہیں۔اِس کے بدلے میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ معرفت باری تعالیٰ کسی نہ کسی قدر حاصل ہو جائے گی۔میں نے اپنے مرشد سے پوچھا کہ آپ اتنا بتا دیں کہ یہ دولت میری قسمت میں ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو کس عمر میں حاصل ہوگی۔اس پر مولاناؒ نے تھوڑی دیر سکوت فرمانے کے بعد کہا کہ ہاں تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز پیدا کی ہے کہ جب تک تم زندگی میں خدا کو نہ دیکھ لو گے مرو گے نہیں۔اور یہ بھی فرمایا کہ یہ دولت تمہیں زندگی کے ساٹھویں سال میں نصیب ہوگی۔میں نے پوچھا کہ کیا آپ اس وقت حیات ہوں گے تو آپ نے جواب دیا کہ میری تو قبر کا نشان بھی اس وقت نہیں ہوگا۔بلکہ تمہیں جو کچھ مجھ سے ملے گا میرے مرنے کے بعد سب کچھ ختم ہو جائے گا اور تم چودہ پندرہ برس تک یونہی پھرو گے۔پھر تمہیں تمہارا ایک دوست ملے گا تو تمہارا کام بن جائے گا۔اس کے پاس تمہارا حصہ ہے اس کی تعلیم اور صحبت سے تمہارے اندر وہ صلاحیتیں پیدا ہو جائیں گے جو جیتے جی اللہ کا دیدار حاصل کرنے کیلئے لازمی ہوتی ہیں۔چنانچہ جیسا آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔بیعت ہونے کے بعد میں نے خوب محنت کی اور اللہ کے فضل و کرم سے میرے تین لطیفے قلب، روح اور سر روشن ہو گئے اور ان کے

دوائر کی سیر بھی میسر آ گئی ۔اس پر مولانا نے مجھے مبارکباد دی اور بیعت کرنے کی اجازت بھی فرمائی۔مولاناؒ کا 1920ء میں انتقال ہوگیا تو اس کے بعد میں سست پڑ گیا اور آہستہ آہستہ اوراد و وظائف چھوٹ گئے ۔بس شعر وشاعری ہوتی اور دوستوں کے ساتھ گپ شپ اور تاش یا شطرنج کی بازی چلتی ۔یہ اللہ کا کرم رہا کہ کسی گناہ میں مبتلا نہیں ہوئے ۔اس دوران جب کبھی روحانیت والی زندگی یاد آتی تو اپنی حالت پر بڑا دکھ ہوتا ۔تنہائیوں میں کئی مرتبہ رویا بھی لیکن کیا بنتا تھا ۔ان دنوں انڈین آرمی جنرل ہیڈ کوارٹرز دہلی میں مترجم کی حیثیت سے ملازم تھا ۔مجھے سرکاری کام کے سلسلے میں کچھ عرصہ کیلئے بلگام جانا پڑا ۔وہاں آرمی کا ٹریننگ سکول تھا اور وہاں ہمیں ترجمے کا کچھ کام کرنا تھا۔ایک دن بارش کے بعد میں سیر کرتے کرتے پہاڑوں کی جانب نکل گیا اور شام ہوگئی ۔اُڑتے ہوئے بادلوں اور ہلکی ہلکی دھند میں نظر آنے والی شہر کی روشنیوں نے ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دی اور اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں اُمڈ آئی ۔میں وہاں بیٹھ کر کافی دیر روتا رہا ۔جب ذرا طبیعت سنبھلی تو گھر لوٹا اور کھانا کھا کر سو گیا ۔رات کو خواب میں میرے دادا جان حضرت عبدالعزیزؒ تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ روتے کیوں ہو؟ حوصلہ رکھو اور صبر کرو ۔تمہیں ایک دوست ملے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا ۔میں نے عرض کیا روؤں نہیں تو کیا کروں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دولت ملی وہ بھی چھن گئی ہے ۔مولانا کریم الدین احمدؒ نے بھی فرمایا تھا کہ تمہارے ایک دوست کے پاس تمہارا حصہ ہے ۔لیکن وہ کب ملے گا؟ اس کا کوئی اتا پتا اور نام تو معلوم ہو ۔دادا جی نے فرمایا اس کا نام ہے محمد حنیف خانؒ اس پر میری آنکھ کھل گئی اور اور پاس پڑی ہوئی ڈائری پر یہ نام نوٹ کرلیا اور پھر سو گیا ۔صبح اُٹھا تو اس نام کے آدمی کی تلاش شروع کردی ۔ایک تھانیدار محمد حنیف خاں سے دوستی لگائی پھر ایک قصائی سے یارانہ گانٹھا لیکن سب پھسکو نکلے ۔کام کا کوئی آدمی نہیں ملا ۔وہاں چھاؤنی میں نظام آباد پنجاب کے رہنے والے ایک صاحب کی سپورٹس کے سامان کی دکان تھی اور اس پر فوجیوں کا آنا جانا رہتا تھا ۔سہ پہر کے وقت میں بھی وہاں چلا جاتا اخبار دیکھتا اور ان سے گپ شپ لگانے کے بعد آجاتا ۔مجھے شروع ہی سے پنجابی اچھے لگتے ہیں ۔دہلی والوں کے تکلفات کے مقابلے میں ان کی سادگی مجھے زیادہ پسند ہے ۔ایک دن حسب معمول میں وہاں بیٹھا

تھا کہ رسالے کے آٹھ دس وائسرائے کمیشن آفیسر (V.C.O) وہاں آ گئے تو دکاندار نے ان کیلئے کرسیاں لگوادیں اور چائے کا آرڈر دے دیا۔ وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ قریب کی مسجد سے نماز عصر کیلئے اذان کی صدا بلند ہوئی۔ ان میں سے ایک صاحب اُٹھے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا میں نماز پڑھ کر آتا ہوں میرے لئے چائے ضرور رکھنا۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال گذرا اور میں نے باقی لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ غالباً ہم سبھی مسلمان ہیں لیکن نماز کیلئے اذان ہوئی ہے تو صرف ایک دو آدمی کو توفیق ہوئی کہ نماز کیلئے اُٹھا۔ حالانکہ میں خود بھی نہیں گیا تھا۔ اس پر ان کے ایک ساتھی جنہیں دوسرے شاہ جی کہہ کر مخاطب ہو رہے تھے بولے کہ اِس کی کیا بات ہے یہ آدمی تھوڑا ہی ہے۔ میں نے پوچھا کیوں جناب اس میں کیا خاص بات ہے۔ اس پر شاہ جی نے فرمایا کہ ہم یہاں ٹریننگ کیلئے آئے ہوئے ہیں شروع میں رہائش کی تنگی کی وجہ سے میں اور یہ صاحب ایک ہی کمرے میں رہتے تھے ذرا اِس کے معمولات ملاحظہ ہوں۔ یہ صبح سب سے پہلے تیار ہو کر مسجد جاتا ہے پھر ہم ٹریننگ کیلئے اپنی یونٹ میں چلے جاتے ہیں۔ جب واپس آتے ہیں تو یہ صاحب دوپہر کا کھانا کھا کر اور ظہر کی نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔ پھر یہ اس وقت اُٹھتا ہے جب عصر کا تھوڑا سا وقت باقی رہ جاتا ہے۔ یہ عصر پڑھتا ہے اور وہیں بیٹھے بیٹھے چائے پیتا ہے پھر مغرب کی نماز ادا کر کے میس چلا جاتا ہے وہاں کھانے کے بعد دوستوں کے ساتھ گپ شپ اور ہاؤ ہو میں لگا رہتا ہے اور دیر سے واپس لوٹتا ہے۔ آ کر عشاء کی نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے اور ساری رات مصلے پر گذار دیتا ہے اور بالکل نہیں سوتا۔ تو یہ ہیں جناب ان صاحب کے معمولات۔ بتایئے یہ بھلا آدمیوں والی باتیں ہیں۔ ہاں ایک بات ہے کہ اس کے پاس کئی لوگ دعا وغیرہ کرانے کیلئے آتے رہتے ہیں اور یہ ہم نے دیکھا ہے کہ جو کچھ یہ کہتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ اس پر میں نے کہا پھر تو یہ شخص ولی اللہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت کرتا ہے کہ ساری ساری رات سوتا ہی نہیں اور جو اِس کی زبان سے نکلتا ہے اللہ اسے پورا کر دیتا ہے۔ اس پر شاہ جی نے فرمایا کہ ہمیں نہیں پتہ کہ ولی کیا ہوتا ہے بہر حال یہ ہے ایسا ہی۔ اس پر میں نے استفسار کیا کہ ان صاحب کا نام کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ان کا نام ہے محمد حنیف خاں۔ یہ نام سنتے ہی مجھے

ایسا لگا جیسے میں 440 واٹ کی کسی بجلی کی تار کو چھولیا۔ سر سے لے کر پاؤں تک زن سے لرزے کی ایک لہر دوڑ گئی اور دل نے کہا کہ یہی وہ ہستی ہے جسے تو برسوں سے تلاش کر رہا ہے۔ مجھ سے پھر بھلا کیسے رہا جاتا میں اٹھا اور مسجد کی طرف چل دیا۔ میں نے دروازے سے اندر کی طرف جھانکا تو وہ نماز پڑھ چکے تھے اور سواروں ولی وردی کی برجس پر پٹیاں لپیٹ رہے تھے اس لئے میں باہر ہی سیڑھیوں کے پاس کھڑا ہو گیا۔ وہ بوٹ پہن کر باہر آ گئے اور جونہی سیڑھیوں سے اُترے تو میں نے سلام کیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے میں نے سوچا کہ جب مجھے کئی سال پہلے بتا دیا گیا کہ تمہارے دوست کے پاس تمہارا حصہ ہے تو انہیں بھی یقیناً اس کی خبر ہوگی۔ اس لئے بلا کسی تمہید کے میں نے کہا کہ جناب بات یہ ہے کہ یا تو آپ مجھے اپنا مرید کر لیں یا میرے مرید ہو جائیں۔ وہ یہ سن کر دو قدم دور ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں نہ تو کسی کا مرید ہوں نہ مرید کرتا ہوں میں جانتا ہی نہیں کہ پیری مریدی کیا ہوتی ہے میں نے کہا کہ اگر نہیں جانتے تو میرے مرید ہو جایئے میں نقشبندیہ خاندان سے سند یافتہ ہوں اور میں آپ کو سکھا دوں گا کہ پیری مریدی کیا ہوتی ہے۔ انہوں نے بڑے غور سے مجھے دیکھا اور کہا کہ آپ کے پاس رکھا ہی کیا ہے جو میں آپ کا مرید بنوں۔ ایسی باتیں بازار میں نہیں کرتے تم مجھے میرے گھر پر ملو۔ میں نے کہا بہت خوب آپ اپنے کوارٹر کا پتہ بتا دیں۔ انہوں نے مجھے اپنا ایڈریس دیا اور میں ہاتھ ملا کر چلا آیا۔ اگلے روز ڈیوٹی میں وقفہ کے دوران میں ان کا کوارٹر دیکھ آیا تا کہ پھر ڈھونڈنا نہ پڑے۔ دفتر سے چھٹی ہوتے ہی میں انکی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔ ان کے گھر کا گیٹ کھلا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ وہ میری طرف پشت کئے کرسی پر بیٹھے ہیں اور انکا اردلی جس کا نام بشارت تھا انکے بوٹ اور پٹیاں کھول رہا تھا۔ میں جوں ہی گیٹ میں داخل ہوا انہوں نے اردلی سے کہا کہ چھوڑ دو اور ہمارے مہمان کیلئے کرسی لے کر آؤ میں نے سلام کیا اور کہا کہ میں مانتا ہوں کہ آپ ولی اللہ ہیں اور آپ کو پیچھے بھی نظر آتا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور مجھے کرسی پر بیٹھنے کو کہا میں بیٹھ گیا تو آپ نے پوچھا کہ ہاں جناب کل آپ نے مجھے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا کہ میں نے آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ یا تو آپ مجھے اپنا مرید کر لیں یا میرے مرید بن جائیں۔ انہوں بھی

کل والا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نہ تو کسی کا مرید ہوں نہ کسی کو مرید بناؤں گا البتہ دوستی کر لیتا ہوں۔ان کی بات سن کر مجھے مایوسی سی ہوئی کہ میرا مطلوبہ آدمی تو یہی ہے لیکن یہ مانتا ہی نہیں۔ اس پر مجھے میرے مرشدؒ اور دادا جانؒ کی خواب والی باتیں یاد آئیں تو یہ بات کھلی کہ میں غلطی پر ہوں۔انہوں نے یہی تو فرمایا تھا کہ تمہارا دوست ملے گا اور یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ دوستی کر لیتا ہوں مرید نہیں بنتا۔یہ سوچ آنے پر میں دوبارہ کھل اُٹھا اور ہاتھ بڑھا کر کہا کہ چلو پھر دوستی ہی کر لو۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے میرا ہاتھ جھٹک دیا اور فرمایا کہ میں ایسے ہی ہر للو پنجو سے دوستی نہیں کرتا۔میں پہلے امتحان لیتا ہوں اگر کوئی اس میں پاس ہو جائے تو پھر دوستی کرتا ہوں ورنہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ٹھیک ہے آپ میرا امتحان لے لیں۔

انہوں نے فرمایا کہ بڑا مشکل امتحان ہے۔اس میں تین پرچے ہوں گے اور ہر ایک میں سو فیصد نمبر لینے پڑیں گے۔بولو کیا تمہیں منظور ہے۔میں نے عرض کیا کہ سب کچھ منظور ہے جب دوستی کرنا ہی ہے تو پھر سو پرچے لے لو۔اس پر آپ نے فرمایا۔کہ کیا امتحان کے لئے تیار ہو۔میں نے کہا تیار ہوں تو انہوں نے کہا شطرنج کھیلنا آتی ہے۔میں نے کہا کہ آتی ہے۔اس پر انہوں نے اپنی اردلی کو آواز دی کہ شطرنج لے کر آؤ۔مزے کی بات یہ ہے کہ رسالدار صاحب کی وردی کی ایک پٹی ابھی اُتری تھی اور دوسری بدستور بندھی ہوئی تھی۔اردلی نے شطرنج لا کر بچھا دی تو آپ نے کہا کہ یہ پہلا پرچہ ہے۔اگر تم مجھ سے جیت گئے تو سمجھو کہ پاس ہو گئے۔تم بھلا میرے ساتھ کیا کھیلو گے میں تو اپنی یونٹ کا چیمپئن ہوں۔میں نے کہا تم فوجی لوگ آپس میں ہی کھیل کر چیمپئن بن جاتے ہو۔باہر والے سے واسطہ پڑے تو پتا چل جائے کہ کتنے پانی میں ہو۔چنانچہ کھیل شروع ہو گیا اور میں نوٹ کرتا رہا کہ ان کے کھیلنے کا انداز کیا ہے۔پہلی گیم رسالدار صاحب جیت گئے اور کہنے لگے کہ تم تو ہار گئے۔میں نے کہا تین گیم کھیلنے کا اصول ہے اگر تم ایک بازی اور جیت جاؤ تو میں اپنی شکست تسلیم کر لونگا۔پھر کھیل شروع ہو گیا تو میں دوسری اور پھر تیسری گیم بھی جیت گیا۔اس پر آپ نے فرمایا کہ تم پاس ہو،اچھا کھیلتے ہو اور کھیلو۔مزید دو بازیاں لگیں اور وہ بھی میں نے جیت لیں۔شطرنج ختم ہوئی تو میں نے کہا لائیے دوسرا پرچہ کونسا ہے۔اس پر رسالدار

صاحب نے فرمایا کہ غالبؔ کو جانتے ہو۔ میں نے کہا کہ آپ نے صرف اس کا نام ہی سنا ہوگا میں تو دِلی کا رہنے والا ہوں غالب کے باپ دادا کو بھی جانتا ہوں۔ آپ نے کہا اچھا تم غالب کے دیوان کا جو پہلا شعر ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیء تحریر کا
کاغذی ہے پیرھن ہر پیکر تصویر کا

اس کا مطلب بیان کرو۔ اس پر میں نے اس شعر کی تشریح بیان کی تو کہنے لگے کہ اِس شعر میں غالب نے انسان کے بارے میں رازکی جو بات کہی ہے وہ بتاؤ، جب میں نے اس کی تفصیل بھی بتا دی تو خوش ہوکر فرمایا کہ واقعی تم تو مجھ سے بھی زیادہ جانتے ہو۔ اس زمانے میں تو غالب اور اقبال کے اشعار ویسے بھی ہمیں نوک زباں تھے۔ میں نے کہا کہ نمبر بتائیں تو فرمایا سوفیصد پاس۔ میں نے عرض کیا کہ اب لایئے تیسرا پرچہ اس پر آپ نے فرمایا کہ تیسرا پرچہ یہ ہے کہ کبھی پیار بھی کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کبھی کا کیا مطلب ہم نے تو ساری زندگی پیار میں ہی گذاری ہے۔ اس پر آپ نے تھوڑی دیر کیلئے آنکھیں بند کر لیں اور فرمایا کہ واقعی تم تو سراپا پیار ہو۔ لاؤ ہاتھ ملاؤ آج سے ہماری اور آپ کی دوستی ہوگئی۔

دوستی تو ہوگئی لیکن مرشدؒ نے جو مدت خالی پھرنے کی ارشاد فرمائی تھی وہ ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ ہم روزانہ ان کے گھر مجلس جماتے۔ دنیا بھر کی اور فقیری کی باتیں ہوتیں۔ وہ مجھے بھائی جان کہتے میں انہیں بھائی جان کہتا اور خوب وقت گذرنے لگا۔ وہ ملنے والوں کیلئے دُعائیں کرتے اور خوب مٹھائی چلتی۔ یہ مٹھائی کھانے کی عادت مجھے رسالدار صاحب نے ڈالی اور وہ اِس کے بہت شوقین تھے۔ خوب مزے کی محفل ہوتی۔ لیکن میرے کام کی بات نہ ہوتی۔ آپ کمال کے فقیر تھے اور آپ کا انداز بھی انوکھا تھا۔ کوئی حاجت مند دعا کیلئے کہتا کہ اولاد نرینہ کیلئے دُعا فرمادیں تو کہتے جاؤ ہم نے تمہیں بیٹا دے دیا۔ کوئی مقدمے میں کامیابی کیلئے عرض کرتا تو کہتے جاؤ ہم نے تمہیں بری کر دیا۔ مجھے یہ بات اچھی نہ لگی اور ایک دن میں نے کہہ دیا کہ بھائی جان ہم نے بہت سے بزرگوں اور پیروں کو دیکھا ہے لیکن اس طرح تو کوئی نہیں کہتا۔ بعض کی دعا کی قبولیت کا یقین

بھی ہو جاتا ہے پھر بھی یہی فرماتے ہیں کہ جاؤ اللہ کے فضل سے کام ہو جائے گا۔ یہ کونسا انداز ہے کہ جاؤ میں یہ کر دیا میں نے وہ کر دیا۔ وہ تو سن کر گرم ہو گئے اور فرمایا۔

انصاری صاحب! آپ نے ولی اللہ بہت دیکھے ہوں گے لیکن آپ نے کوئی ''فقیر'' نہیں دیکھا۔ میں تو فقیر ہوں۔ میں ایسے ہی کہوں گا آپ جو جی چاہے کر لیں۔ میں نے ہاتھ جوڑ دیئے اور کہا بابا جو چاہے کرو میں کچھ نہیں کہتا۔ انہوں نے میرے ساتھ بھی ایک مرتبہ ایسے ہی کیا۔ ہوا یوں کہ کچھ دنوں بعد میں نے کہا کہ بھائی جان دعا کریں کہ اب واپس دلی چلا جاؤں۔ بچے وہاں ہیں اور میں یہاں پڑا ہوں۔ دو جگہ کا خرچہ مشکل سے پورا ہو رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم واپس چلے جاؤ۔ چند دن بعد ہی ہمارے ہیڈ کوارٹر سے سرکاری حکم آ گیا کہ ہمارے آدمی دہلی واپس بھیج دیں۔ شام کو میں نے رسالدار صاحب کو فرمایا کہ لو تم اکیلے یہاں ڈگڈگی بجانا کیونکہ میں تو واپس جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اتنی جلدی تم کیسے واپس جا سکتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہمارے بارے میں سگنل آ گیا ہے اب تو جانا ہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں دیکھوں گا کہ تجھے کون واپس بھیجتا ہے۔ اگلے روز معلوم ہوا کہ بلگام والوں نے ہیڈ کوارٹر والوں کو سگنل دیا ہے کہ ابھی یہ افراد فارغ نہیں کئے جا سکتے اور جو کام ابھی باقی ہے اس کی تفصیل خط میں لکھ کر بھیج رہے ہیں۔ اس طرح واپسی کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ چند دن بعد میں نے دوبارہ رسالدار صاحب سے گذارش کی کہ مجھے واپس بھجوا دیں۔ کہنے لگے کہ ٹھیک ہے تمہیں واقعی اب واپس جانا چاہئے تم اب چلے جاؤ۔ ہماری یونٹ کا جب تفصیلی خط ہیڈ کوارٹرز پہنچا تو انہوں نے دوبارہ سگنل دیا کہ جو کام باقی رہ گیا ہے وہ یہاں دہلی میں آ کر بھی کیا جا سکتا ہے اس لئے ہمارے آدمی فوراً بھیج دیئے جائیں۔ میں بڑا خوش خوش شام کو رسالدار صاحب کے پاس گیا اور واپسی کا ذکر کرنے ہی لگا تھا کہ وہ بڑے جلال کے ساتھ گویا ہوئے کہ بھائی جان اگر آج آپ نے مجھے چھیڑا تو خدا کی قسم تم ساری عمر یہاں رہو گے یہاں ہی مرو گے اور یہاں ہی تمہاری قبر بنے گی۔ چلو چھیڑو، میں نے کہا کہ نہیں بابا میں آپ کو بالکل نہیں چھیڑوں گا۔ اس پر آپ نے بڑے پیار سے فرمایا کہ کل تم چلے جاؤ میں تمہیں ملنے کیلئے دہلی آیا کروں گا۔ میں تمہیں وداع کرنے کل نہیں آؤنگا۔ تم ابھی مجھے

مل لو کیونکہ میں تمہیں جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ میں تو اگلے روز دہلی چلا گیا اور وہ اپنی تربیت مکمل کرنے کے بعد بنوں چلے گئے''۔

''میں تو واپس دلی آ گیا اور رسالدار صاحبؒ اپنی ٹریننگ مکمل کر کے بنوں چلے گئے آپ حسب وعدہ جب بھی چھٹی آتے تو پہلے مجھے مل کر پھر گھر جاتے اور واپسی پر دوبارہ میرے ہاں قیام کرنے کے بعد اپنی یونٹ کو جاتے۔ وہ جب میرے ہاں ٹھہرتے تو ان کے معتقد حضرات اور ملنے والے احباب کی خوب محفل جمتی۔ ایک دن آپ نے مجھے پوچھا کہ بھائی جان آپ نماز نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا کہ نہیں پڑھتا اور آپ عجیب دوست ہیں کہ عرصہ ہوا ملاقات ہوئے اور آج پوچھ رہے ہیں کہ آپ نماز نہیں پڑھتے؟ اس پر انہوں نے فرمایا کہ بھائی جان نماز تو فرض ہے اور یہ ضرور پڑھنی چاہئے میں نے عرض کیا کہ حضرت میں ان مسئلوں اور نماز کی اہمیت سے اچھی طرح آگاہ ہوں لیکن دل کا کیا کروں۔ بقول غالب!

جانتا ہوں ثواب اطاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اس پر آپ نے فرمایا کہ طبیعت نہ آنے کی آخر کوئی وجہ بھی تو ہوگی میں نے کہا کہ جناب میں پہلے آپ کی خدمت میں گذارش کر چکا ہوں کہ میں نقشبندیہ سلسلے میں بیعت تھا اور سلوک طے کر چکا تھا۔ اِس وقت نماز پڑھتا تھا تو اللہ کی حضوری ہوتی تھی۔ اب نماز پڑھتا ہوں تو سامنے اینٹ پتھر کی دیوار، لوٹا یا جوتا ہوتا ہے میں ان چیزوں کو سجدہ نہیں کر سکتا نہ بے حضوری والی نماز پڑھ سکتا ہوں اگر آپ میں ہمت ہے تو آپ مجھے نماز پڑھا دیں۔ اس پر آپ نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں آپ کو نماز پڑھاؤں گا۔ جب آپ کوئی بات کہہ دیتے تھے تو اگر کوئی پہاڑ بھی راستے میں حائل ہوتا تو ٹل جاتا۔ ان دنوں رسالدار صاحب نے ابھی داڑھی نہیں رکھی تھی اور نماز کی امامت کم ہی فرماتے تھے کسی ڈاڑھی والے دوست کو جماعت کا امام بنا لیتے تھے۔ ایک دن جب وہ میرے مہمان تھے اور میرے کوارٹر کے باہر اپنے ملنے والوں کے پاس تشریف فرما تھے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے دوستوں سے فرمایا کہ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو آج میں

جماعت کراؤں۔انہوں نے کہا کہ ہم تو ہمیشہ آپ سے گذارش کرتے ہیں لیکن آپ خود ہی امامت نہیں کراتے میں اپنے کوارٹر کے سامنے چارپائی ڈالے حقے سے دل بہلا رہا تھا کہ آپ نے زور سے آواز دی۔''بھائی جان! میں آج نماز پڑھا رہا ہوں آپ نے پڑھنی ہے تو آجاؤ''۔ میں نے کہا کہ ابھی وضو کر کے آتا ہوں۔جب میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ صف میں میرے بالکل پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اب ایسے ہی ہوا کرے گی اب نہیں چھوڑنا۔چنانچہ میں نے نماز شروع کر دی اور پھر مولانا کریم الدینؒ کا بتایا ہوا ذکر بھی اپنے معمولات میں شامل کر لیا۔اس طرح کئی برسوں کے بعد میں دوبارہ اپنی لائن پر آ گیا۔اگلے برس رسالدار صاحب چھٹی آئے تو مجھے دیکھ کر بڑے خوش ہو کر فرمایا کہ ماشاءاللہ اب تو خوب رنگ چڑھا ہوا ہے کیا پڑھتے ہو میں نے عرض کیا کہ آپ تو کچھ پڑھنے کو بتاتے نہیں ہیں اس لئے میں نے اپنے پرانے سلسلے نقشبندیہ والا ذکر ہی شروع کر دیا ہے۔آپ نے کہا کہ یہی ٹھیک ہے یہی کرتے رہیں۔جب آپ تشریف لاتے تھے تو رات کافی دیر تک احباب کی مجلس جمتی۔چائے کے دور چلتے اور خوب گپ شپ ہوتی۔ایک شب ایسی ہی ایک مجلس تھی کہ آپ نے پانی منگوایا اس میں تھوڑا سا خود پیا اور گلاس والا ہاتھ آگے بڑھایا۔نزدیک ہی ایک دوست ظہور الحسن صاحب بیٹھے تھے انہوں نے گلاس پکڑنے کیلئے ہاتھ جو آگے بڑھایا تو انہیں ایک تھپڑ رسید کیا اور گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ اس کا حصہ ہے۔میں وہ چند گھونٹ پانی کے پی لئے۔اللہ جانے اس ظالم نے اس میں کیا ملایا تھا کہ پانی پینے کے ساتھ ہی زن کی آواز آئی جیسے میں نے پگھلا ہوا تانبا یا سیسہ پی لیا ہو۔وہ پانی جہاں جہاں سے گذرا سب کچھ جلاتا ہوا گذرا بس اس کے بعد تو پھر میری ترقی راکٹ کی سپیڈ سے ہوئی۔اب تو جو بھی ہمارے پاس ہے یہ رسالدار صاحبؒ کا دیا ہوا ہے چونکہ انہوں نے ہمیں بیعت نہیں کیا اس لئے ہم اپنا شجرہ مولانا کریم الدین احمد صاحب سے ملاتے ہیں کہ وہی ہمارے روحانی مرشد تھے۔

حضرت رسالدار محمد حنیف خانؒ ہندوستان کی ریاست پٹیالہ کے قصبہ مہندر گڑھ کے رہنے والے تھے۔آپ اویسی بزرگ تھے یعنی آپ نے کسی زندہ بزرگ سے بیعت نہیں کی تھی۔بچپن

ہی سے آپ کی والدہ ماجدہ نے انہیں درود شریف کا ورد کرنے کی تلقین فرمائی تھے اور وہ اسے تسبیح پر پڑھا کرتے تھے۔فوج کی سروس میں ڈیوٹی کے دوران بھی جیب میں تسبیح رکھتے اور گھڑ سواری کے دوران بھی اس پر ورد جاری رکھتے۔اس پر افسران نے اعتراض کیا تو نوکری چھوڑنے کیلئے تیار ہو گئے۔آپ کی قابلیت کے پیش نظر انگریز افسروں نے انہیں اجازت دے دی کہ تسبیح چلاتے رہیں۔قبلہ انصاری صاحبؒ فرماتے تھے میں نے ان سے کئی مرتبہ پوچھا کہ آپ کونسا درود شریف پڑھتے ہیں لیکن انہوں نے بتایا نہیں۔بس یہی کہتے تھے کہ چھوٹا سا ہے۔اتنا سا ہے۔ ملازمت کے دوران ان کا تبادلہ سیالکوٹ چھاؤنی میں ہو گیا۔دوسرے یار لوگ تو شام کے بعد بازار کی سیر کو نکل جاتے لیکن آپ حضرت امام علی الحقؒ کی مسجد میں چلے جاتے۔وہاں عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد امام صاحب کے مزار کے نزدیک بیٹھ کر درود شریف اور دوسرے مسنون وظائف پڑھتے رہتے۔آپ فرماتے تھے کہ ایک دن میں حسب معمول اندھیری جگہ میں بیٹھا آنکھیں بند کئے وظیفے میں مشغول تھا۔جب آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھا کہ میرے سامنے ایک بزرگ کھڑے ہیں میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔انہوں نے فرمایا کہ ڈرو نہیں تم تو بڑے اچھے بچے ہو مجھے نہیں جانتے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتا انہوں نے فرمایا کہ میں علی الحق ہوں اور ادھر ہی رہتا ہوں۔پھر انہوں نے مجھے پکڑ کر اپنے سینے سے لگایا اور میرا کام کر دیا۔اس طرح آپ کو امام علی الحقؒ سے اویسیہ نسبت حاصل ہو گئی۔بانی سلسلہ تو حیدیہؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام علی الحقؒ حضرت علیؓ کی غالباً پانچویں پشت میں سے تھے وہ کسی مہم پر جہاد کیلئے آئے ہوئے تھے کہ سیالکوٹ میں شہید ہو گئے ان سے رسالدار صاحب کو براہ راست فیض مل گیا اور ان سے ہمیں ملا۔اس طرح روحانی فیض کے لحاظ سے ہم ساتویں پشت بنتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانے میں یہ رنگ اور کہیں نہ ملے گا۔ سلسلوں میں بیعت کے لحاظ سے تو اب چالیسویں پشت چل رہی ہو گی ہمیں پہلے زمانے کا خالص مال مل گیا۔

انصاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں بھی چند مرتبہ آپ کے ہاں مہندر گڑھ گیا تھا۔آپ کے والدین بھی دیندار اور نہایت سادہ تھے۔آپ کے والد کا یہ حال تھا کہ بھنگن کے ساتھ کھانا کھاتے

ہوئے پوچھ بیٹھے کہ آج کیا پکا ہے۔ کسی نے کہہ دیا کہ ارد کی دال پکی ہے تو پکار اُٹھے واہ سبحان اللہ کتنے مزے کی دال ہے۔ آپ کی والدہ کے بارے میں ایک بڑے مزے کی بات سناتا ہوں ایک مرتبہ وہ میرے سامنے نماز پڑھ رہی تھیں لیکن ادھر ادھر بھی دیکھے جا رہی تھیں۔ رسالدار صاحب نے کہا اماں یہ کیا کر رہی ہو۔ خیر جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو رسالدار صاحب نے پوچھا کہ اماں یہ نماز میں تم اِدھر اُدھر کیا دیکھ رہی تھیں انہوں نے کہا بیٹا آج تو بڑی عجیب بات ہوئی کہ آج تو مجھے نماز میں خانہ کعبہ نظر ہی نہیں آیا۔ ہم پوچھا کہ اماں کیا تجھے ہر نماز میں خانہ کعبہ دکھائی دیتا ہے؟ تو بڑے بھولپن سے گویا ہوئیں کہ کیا دوسرے لوگوں کو نماز میں خانہ کعبہ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ لوگ بالکل حضورؐ کے صحابہؓ کی مانند تھے۔ ان کا اتنا مقام تھا لیکن انہیں اس کا احساس ہی نہیں تھا۔ وہ سمجھتی تھیں کہ ہر مسلمان کو نماز کے وقت کعبہ دکھائی دیتا ہے۔ حضرت رسالدار صاحبؒ بڑی ہمت والے بزرگ تھے۔ آپ کی کرامات بھی بڑی عجیب وغریب تھیں۔ ایک دفعہ تو ان کے ہاتھ سے ایک مردہ بھی زندہ ہو گیا۔ وہاں دہلی ہی میں ان کا ایک ہندو معتقد تھا وہ اچانک بیمار ہوا اور اطلاع ملی کہ وہ مر گیا ہے یہ سن کر آپ اُٹھے اور مجھے کہا کہ چلو بھائی جان پنڈت جی کے گھر چلیں وہاں پہنچے تو ماتم بپا تھا۔ آپ نے سر پر کپڑا اوڑھ کر گھونگٹ سا نکال لیا اور عورتوں کے درمیان سے راستہ بناتے ہوئے پنڈت کی چارپائی تک پہنچ گئے اور اس پر پڑی ہوئی چادر اوپر اُٹھا کر پنڈت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور زور سے بولے کہ سب چپ ہو جاؤ۔ پنڈت جی نے آنکھیں کھول دیں۔ جب اِسے رسالدار صاحب نظر آئے تو اٹھا اور ادب سے دونوں ہاتھ جوڑ کر دوزانو بیٹھ گیا۔ رسالدار صاحب نے فرمایا کہ پنڈت جی آپ بغیر بتائے ہی کہاں چل دیئے تھے۔

آپ کے تعویذ بھی اپنی مثال آپ تھے اگر کوئی عورت دردزہ کی وجہ سے تکلیف میں ہوتی تو آپ ہنڈیا کا ڈھکنا لے کر اس پر عبارت لکھتے اور ہدایت دیتے کہ عورت کے سر پر اِسے اُلٹا کر کے رکھ دو۔ اس کے رکھتے ہی بچہ پیدا ہو جاتا۔ آپ اس پر لکھتے تھے ''اُلٹی چپنی سر پہ دھری نکل پڑا یا نکل پڑی''، اِسی طرح آپ کا ایک ہندو پنڈت بڑا معتقد تھا وہ جتنی دیر بھی آپ کی محفل میں رہتا ہاتھ جوڑ کر بیٹھتا۔ ایک مرتبہ آپ چھٹی گئے تو پنڈت نے بتایا کہ اس کی بچی بیمار ہے اور وہ ہر قسم کا

علاج کرا چکا ہے لیکن اس کا خون بند نہیں ہوتا اس پر آپ نے اسے ایک تعویذ لکھ کر دیا اور کہا کہ اِسے اپنی بیوی کی کمر کے ساتھ باندھ دو۔ رسالدار صاحب جب اگلی مرتبہ چھٹی پر گئے تو پنڈت جی ملنے کیلئے حاضر ہوئے۔ رسالدار صاحب نے اس کے اہل وعیال کی خیریت دریافت کی تو پنڈت جی نے کہا کہ گھر میں ایک پریشانی ہے۔ میری بیوی کے ہاں بچہ ہونے والا ہے لیکن پیدائش کا وقت پورا ہو جانے کے باوجود کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے۔ ویدوں اور ڈاکٹروں کو بھی دکھایا ہے لیکن انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ رسالدار صاحب نے پوچھا کہ گذشتہ سال جو میں نے تعویذ دیا تھا وہ کہاں ہے۔ پنڈت جی نے کہا وہ تو میری پتنی کی کمر کے ساتھ باندھا ہوا ہے۔ آپ نے اسے کہا کہ فوراً جاؤ اور وہ تعویذ کھول کر میرے پاس لے آؤ۔ پنڈت جی تعویذ لے کر ابھی واپس آئے ہی تھے کہ ان کے گھر سے مبارک کا پیغام آ گیا کہ لڑکا پیدا ہوا ہے۔ رسالدار صاحب نے پنڈت جی کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کیا تمہاری کھوپڑی کام نہیں کرتی کہ یہ تعویذ خون روکنے کیلئے باندھا تھا۔ اگر خون جاری نہ ہو تو بچہ کیسے پیدا ہو گا۔ اگر یہ تعویذ بندھا رہتا تو بچہ باہر آنے کا نہیں تھا۔ رسالدار صاحب کے بڑے صاحبزادے حافظ تنویر احمد صاحب نے سوچا کہ یہ ہندو تو کافر اور نجس ہے اس کو اللہ کے نام والا یا قرآنی آیت والا تعویذ ہرگز نہیں دیا جانا چاہئے تھا۔ یہ اعتراض کرنے کی غرض سے انہوں نے کہا کہ ابا جی میں یہ تعویذ کھول کر دیکھ لوں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں دیکھ لو۔ حافظ صاحب نے کھول کر دیکھا تو اس پر صرف یہ لکھا تھا ''اے او خون بند ہو جا''۔ یہ پڑھ کر حافظ صاحب خاموش ہو کر رہ گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران رسالدار صاحب تو ریٹائر ہو کر گھر آ چکے تھے لیکن ان کے چھوٹے بھائی صغیر صاحب فوج میں تھے۔ شمالی افریقہ کے محاذ پر ایک مرتبہ جرمنوں نے انہیں کئی ساتھیوں سمیت قیدی بنا لیا اور وہاں فیلڈ میں ہی خاردار تاروں کی جیل میں بند کر دیا۔ انہوں نے اس قید سے فریاد کی کہ بھائی جان اگر آپ مجھے اس مصیبت سے آج رہائی دلوا دیں تو آپ کی بزرگی کو مان جاؤں گا۔ تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ انہوں نے دیکھا کہ رسالدار صاحب جرمن افسر کی وردی پہنے خاردار تاروں کے پاس سے گذر رہے ہیں۔ صغیر

صاحب نے انہیں آواز دی تو انہوں نے چپ رہنے کا اشارہ کیا وہ آگے جرمن فوجیوں کے پاس چلے گئے تو جرمنوں نے انہیں سلام کیا اور پھر بات چیت ہوئی چند سپاہی رسالدار صاحب کے ساتھ آئے اور تمام قیدیوں کو باہر نکال کر کھڑا کر دیا۔ رسالدار صاحب ہمیں مارچ کراتے ہوئے ان سے دور ہندوستانی افواج کی طرف لے گئے۔ پھر صغیر صاحب کو فرمایا کہ لو اب اپنے آدمی سنبھال لو وہ سامنے تمہارے مورچے ہیں یہ میدان جنگ ہے یہاں آنکھیں کھول کر رہنا چاہیے میں بار بار تمہارے لئے ہندوستان سے نہیں آ سکتا۔

یہ ساری باتیں رسالدار صاحب خود کسی کو نہیں بتاتے تھے بلکہ جب صغیر صاحب کے خطوط آتے تو ان میں اس قسم کے واقعات لکھے ہوتے۔ ایک مرتبہ وہ محاذ پر صحرائی علاقہ میں موٹر سائیکل پر کسی کام کو نکلے تو واپسی کا راستہ نہ ڈھونڈ پائے۔ بے نام ونشان صحرائی راستے تھے وہ جس راہ پر جاتے آگے دشمن کے مورچے آ جاتے۔ جب تنگ آ گئے تو پھر رسالدار صاحب کو یاد کیا۔ آپ موٹر سائیکل پر جا رہے تھے تو دیکھا کہ رسالدار صاحب راستے میں کھڑے ہیں وہ صغیر صاحب کے پیچھے بیٹھ گئے اور راستہ بتاتے گئے جب ان کا کیمپ نزدیک آ گیا تو اُتر کر غائب ہو گئے۔

آپ کے پاس کوئی حاجتمند دوست دعا کیلئے آتا تو آپ فرماتے کہ اگر کام ہو گیا تو "چائے تیار" پلاؤ گے وہ کہتا کہ ہاں جی ضرور پلاؤں گا تو فرماتے کہ آپ کو پتہ بھی ہے کہ چائے تیار کیا ہوتی ہے بس یونہی کہہ دیا ہے کہ پلاؤ نگا۔ پھر بتاتے کہ چائے تیار یہ ہے کہ ہر قسم کا سالن بنے گا، ہر قسم کے چاول تیار ہونگے، موسم کے سارے پھل ہونگے، ہر قسم کی مٹھائی حاضر ہوگی۔ اور ساتھ چائے ہوگی۔ یہ ہوتی ہے چائے تیار۔ انہیں مٹھائی بہت پسند تھی۔ مٹھائی کھانے کی عادت مجھے انہی سے پڑی۔ جب پاکستان بنا تو آپ کے بھائی اور بیوی بچے سب ہجرت کر کے آ گئے لیکن آپ نے یہ کہہ کر آنے سے انکار کر دیا کہ ہمیں یہاں ہی شہید ہونے کا حکم ملا ہے۔ سب گھر والوں نے بہت اصرار کیا لیکن وہ نہ مانے چنانچہ سب روتے دھوتے انہیں چھوڑ کر آ گئے شہادت کے بعد مجھے روحانی طور پر ملے تو معلوم ہوا کہ آپ اللہ میاں کے پاس پہنچ گئے۔ میں ہجرت کے

بعد شروع میں اپنے خاندان کے ساتھ کراچی میں مقیم تھا وہ مجھے جب بھی ملتے یہی فرماتے کہ بنوں آ جاؤ۔ اگر آرام سے رہنا ہے تو بنوں آ جاؤ۔ آخر اِنکی محبت ہمیں بنوں لے گئی۔ وہ جس مسجد میں نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے اور ایک خاص جگہ پر بیٹھا کرتے تھے وہ مجھے معلوم ہے۔ میں وہاں جایا کرتا اور مجھے وہاں سے بڑا پریم ملتا تھا۔ کئی مرتبہ ملے تو دور ہی سے ہاتھ ہلا کر اور یہ کہہ کر چلے جاتے کہ بھائی جان کام بہت ہے۔ میں نے ایک مرتبہ پوچھ ہی لیا کہ بھائی جان وہاں بھلا کیا کام ہوتا ہے انہوں نے فرمایا اللہ اپنے کام کرنے والے بندوں کو وہاں بھی بیکار نہیں بیٹھنے دیتے۔ وہاں جنت کے ایک حصے پر میری یہ ڈیوٹی ہے کہ وہاں کے رہنے والوں کو جس چیز کی بھی خواہش ہو وہ فوراً انہیں ملنی چاہئے۔ ایک مرتبہ ایسے دکھائی دیئے جیسے ابھی ابھی پانی سے باہر نکلے ہیں۔ میں نے پوچھا تو فرمانے لگے سمندر میں ایک جہاز طوفان میں گھر کر اُلٹنے والا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اسے سیدھا کر دو۔ میں اسے سیدھا کر کے آ رہا ہوں۔

اب بھی آپ حلقہ کے کئی بھائیوں سے ملتے ہیں ابھی حال ہی میں گروپ کیپٹن نور محمد صاحب کی بیگم کو جب وہ لیبیا جا رہی تھیں تو راستے میں ایک ائرپورٹ پر ملے۔ اُنہوں نے مجھے بتایا کہ ائرپورٹ والے مجھے مطلوبہ جہاز پر جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ میرے پاس ایک آفسر آئے اور مجھ سے پوچھا کہ آپ کیوں پریشان ہیں میں نے بتایا تو انہوں نے متعلقہ اتھارٹی سے بات کر کے میرا مسئلہ حل کرا دیا۔ جب انہوں نے مجھے اس کا حلیہ اور انداز بتائے تو میں جان گیا کہ وہ تو رسالدار صاحب تھے''۔

ارشاداتِ خواجہؒ

(خواجہ محمد امین اختر لون)

پس منظر

بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی زندگی میں سلسلہ توحیدیہ کے پندرہ سالانہ اجتماعات منعقد ہوئے۔ صرف تیرھواں اجتماع آستانہ توحیدیہ پر 1974ء میں منعقد ہوا۔ آپؒ نے اپنی علالت کے باعث سالانہ خطبہ خود پڑھنے کی بجائے یہ سعادت سلسلہ کے موجودہ شیخ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کو عطا فرمائی۔ خطبہ کے دوران آپ چند بزرگ بھائیوں کی معیت میں سٹیج پر رونق افروز تھے۔ جب خطبہ پڑھا جا چکا تو عام گفتگو شروع ہو گئی۔ راقم الحروف کے پاس خطبہ اور بات چیت کی مکمل کیسٹ موجود ہے، جسکی مدد سے اپنے ہادی و مرشدؒ کے کچھ ارشادات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اللہ کو کبھی نہ بھولا

آپ نے ارشاد فرمایا ''میں نے کچھ نہیں کیا۔ نہ کوئی زیادہ عبادت کی، نہ کبھی تہجد کی نماز پڑھی ساری عمر۔ اللہ نے کچھ عرصہ کیلئے مجھے جنگلوں میں رکھا وہ علیحدہ بات ہے۔ مگر ایک بات ہے کہ میں اللہ کو ساری عمر ایک سیکنڈ بھی کبھی نہیں بھولا۔ نہ راحت میں، نہ تکلیف میں، سوتے میں نہ جاگتے میں، بس یہ کام کیا ہے میں تم لوگوں کو بہت اونچا دیکھنا چاہتا ہوں تم لوگ ابھی بہت نچلے درجے پر ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سب میری طرح ہو جاؤ۔ ہمارے حلقہ میں چند آدمی ہیں جو اسٹینڈرڈ پر آ گئے ہیں، ان سے فیض لیا کرو۔ کورنگی میں ڈار ہے، انور ہے، اصغر ہے اور وہ ہے بشیر مرزا کا بھائی لالہ عنایت، بڑا بزرگ ہے۔ کورنگی میں انسٹرکٹر تھا تو جتنے پڑھنے کیلئے آئے سب کو رنگ دیا۔

مجھے رشک آتا ہے

پھر آپ نے ایک بھائی منشی خاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''ایک یہ

ہے لیکن یہ کسی کو توجہ ہی نہیں دیتا، ہمیں بھی نہیں دیتا۔ تیری بات سب کو بتا دوں؟ (آپ نے رسالدار محمد حنیف خانؒ کے بڑے صاحبزادے حافظ تنویر احمد خاں صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا) حافظ صاحب! اس کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا کہ مجھے بھی رشک آتا ہے۔ یہ ہر دوسرے تیرے ماہ فضائیہ کی مشقوں کیلئے باہر جاتے ہیں۔ یہ وہاں رات کو بیٹھا کر اللہ اللہ کر رہا تھا کہ حضورؐ تشریف لائے۔ اس کا سینہ چاک کیا، دل نکالا، اسے دھویا، واپس سینے میں رکھا، اس پر ہاتھ پھیرا، پیار کیا اور چلے گئے۔ اس نے یہ واقعہ صرف مجھے ہی بتایا اور کسی کو نہیں بتایا۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ باقی بھائی سوچتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہیں ملا، اس لئے میں نے خود ہی منع کر رکھا تھا۔ یہ اس بات کو جانتا ہی نہیں، اوپر کی منزل اس کی ہے ہی نہیں۔ یہ تمہاری (حافظ تنویر احمد صاحب کی) دادی اماں والی بات ہے۔ وہ جب نماز پڑھتی تھیں تو انہیں خانہ کعبہ نظر آتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ نماز پڑھ رہی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ ادھر اُدھر دیکھ رہی تھیں۔ جب نماز ختم ہوئی تو رسالدار صاحب نے پوچھا، اماں یہ کیا کر رہی تھیں؟ کہنے لگیں بیٹا کہ آج عجیب بات ہوئی، آج نماز میں مجھے خانہ کعبہ نظر ہی نہیں آیا۔ رسالدار صاحب نے کہا کہ کیا تمہیں ہر نماز میں خانہ کعبہ دکھائی دیتا ہے؟ وہ بولیں تو اوروں کو نظر نہیں آتا کیا؟

یعنی وہ سمجھتی تھیں کہ سب کو نماز پڑھتے وقت خانہ کعبہ نظر آتا ہے۔ اتنا اونچا روحانی مقام حاصل ہونے کے باوجود اس کا احساس ہی نہیں، یہ ہیں جنتی لوگوں کی باتیں۔

سکھوں کا ٹائم

بات چیت کے دوران ہی آپؒ نے استفسار فرمایا کہ ٹائم کیا ہوا ہے؟ ایک بھائی نے عرض کیا کہ قبلہ بارہ بجے ہیں۔ حافظ تنویر احمد صاحب (جن کے سر پہ لمبے لمبے بال تھے) نے مزاحاً کہہ دیا کہ قبلہ سکھوں کا ٹائم ہو گیا ہے۔ آپ کی حس ظرافت جو پھڑکی تو ان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے کہ میرے سر پہ تو بال نہیں ہیں'' اس پر محفل میں خوب قہقہہ پڑا۔ حافظ صاحب نے کہا کہ ''آپ کو مجھی پر چوٹ کرنا تھی''۔ اس پر آپ نے فرمایا ''جو کہے گا وہ سنے گا'' جس پر دوبارہ قہقہہ بلند ہوا۔

مجالس فقیر

محمد صدیق ڈار توحیدی

(یہ واقعات راقم الحروف نے بابا جان عبدالحکیم انصاریؒ کی مجالس میں سنے۔ جو بھائیوں کی رہنمائی کیلئے پیش خدمت ہیں)

کالو کا بھوت

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مجھے قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی خدمت میں عین دوپہر کے وقت پہنچنے کا موقع ملا۔ میں نے کھانا بھی لاہور ریلوے سٹیشن کے باہر کسی ہوٹل سے کھالیا تھا تا کہ بے وقت میزبانی کی زحمت نہ دوں۔ غالباً مئی یا جون کا مہینہ تھا۔ جب میں درِ مرشد پر پہنچا تو ہر طرف سناٹا تھا لیکن فقیر کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ میں بیرونی گیٹ کھول کر برآمدے سے گذر کر مہمان خانے میں داخل ہوا ہی تھا کہ ایک خادم نے آ کر کہا کہ قبلہ صاحب پوچھ رہے ہیں کہ کون آیا ہے میں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ چلا گیا اور چند منٹ بعد واپس آ کر کہا کہ آپ کو قبلہ صاحب اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔ میں نے فوراً حاضر خدمت ہو کر سلام کیا اور مزاج پرسی کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں تو حلقہ فنڈ کے رجسٹر میں اندراج کر رہا تھا چلو اچھا ہوا تم آ گئے ہو اب گپ شپ لگاتے ہیں۔ اس روز کافی طویل اور متنوع گفتگو ہوئی۔ موسم گرما کی دوپہر کے سناٹے میں میں تنہا مخاطب تھا اس طرح کا موقع پہلے کبھی نہ ملا تھا۔ مجھے آپ کے فرمودات کی اثر انگیزی کئی گنا زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ اس خصوصی محفل میں آپ کا فرمایا ہوا ہر لفظ میرے دل پر نقش ہو کر رہ گیا۔ قبلہ حضرتؒ نے فرمایا۔

''آزادی سے کئی برس پہلے میں نے ایک رسالے میں ایک بالکل سچا واقعہ پڑھا جسے ایک تعلیم یافتہ لڑکی نے حلفاً بیان کیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ میرے والد جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں اپنے گاؤں کے چوہدری اور صوم و صلوٰۃ کے پابند انسان تھے سب لوگ انہیں میاں جی کہہ کر پکارتے تھے۔ کاشتکاری میں مدد اور مویشیوں کی دیکھ بھال کرنے کیلئے ہم نے ایک نوکر رکھا ہوا تھا۔ جس کا نام اللہ جانے کیا تھا لیکن سب اسے کالو کے نام سے جانتے تھے۔ اس کے آگے پیچھے

بھی کوئی نہ تھا۔ کالو کو دین کے ساتھ بھی کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جانوروں کے ساتھ رہتے رہتے وہ بھی انہی کے رنگ میں رنگا گیا تھا۔ کھانا پینا سونا اور جانوروں کی خدمت کرنا ہی اس کی زندگی کے معمولات تھے۔ ہمارے ڈیرے کے نزدیک میاں جی کے ایک دوست کا ڈیرہ تھا۔ میاں جی اپنے دوست سے ملنے کبھی کبھی شام کے بعد اِنکے ڈیرے پر جاتے تو کالو انکا حقہ تھام کر ضرور ساتھ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ میاں جی اپنے رشتہ داروں کو ملنے کیلئے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو چند ہفتوں بعد واپس لوٹے اِس زمانے میں سڑکیں اور بسیں بہت کم تھیں اور لوگ زیادہ تر بیل گاڑیوں اور گھوڑوں پر ہی سفر کرتے تھے۔ لوگ دیر بعد عزیزوں کے ہاں جاتے تو کئی کئی روز قیام کرتے تھے۔

اللہ کا کرنا یوں ہوا کہ میاں جی کی غیر حاضری کے دوران کالو چند دن بیمار رہ کر فوت ہو گیا۔ ہم سب نے بھی اس کی کمی محسوس کی اور جب میاں جی کو کالو کی موت کا علم ہوا تو انہیں بڑا افسوس ہوا۔ چند دنوں کے بعد میاں جی حسب معمول شام کے بعد اپنے دوست کو ملنے ان کے ڈیرے کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ راستے میں سفید لباس پہنے کوئی آدمی کھڑا ہے جب نزدیک پہنچے تو اس نے کہا "میاں جی سلام! میں کالو ہوں" میاں جی نے کہا کالو! تم مر گئے تھے تو یہاں کیا کر رہے ہو۔ اس نے کہا کہ میں مر گیا تھا لیکن میں بھوت بن گیا ہوں۔ میں نے سوچا کہ میاں جی جب بھی اپنے دوست سے ملنے جاتے تھے تو میں ہمیشہ ساتھ جاتا تھا۔ آج آپ اکیلے جا رہے تھے تو میں حاضر ہو گیا ہوں تا کہ آپ کا ساتھ دوں، میاں جی نے پوچھا کہ تم بھوت کس طرح بن گئے ہو۔ اس نے کہا کہ میاں جی یہ بات آپ کو نہیں بتا سکتا۔ اس کے علاوہ آپ کوئی بات کریں کالو میاں جی کے ساتھ ان کے ڈیرے تک گیا۔ اِسی طرح واپسی پر پھر ساتھ ہو گیا اور ان کے ڈیرے کے نزدیک جا کر غائب ہو گیا۔ الغرض کالو کا یہ معمول بن گیا کہ میاں جی جب بھی اپنے دوست سے ملاقات کیلئے جاتے تو کالو ساتھ ہو لیتا۔

اِسی طرح کی ایک ملاقات کے دوران کالو نے میاں جی سے کہا کہ میاں جی آج ہم آپ کو ایک راز کی بات بتاتے ہیں۔ دو دن بعد ہمارے قصبے کی سرائے میں ایک رئیس زادہ اپنے چند

ساتھیوں کے ہمراہ آ کر اُترے گا۔ان کا ارادہ یہاں دو راتیں گذارنے کا ہے دوسری شام کو وہ رئیس زادہ پیلے چاول (زردہ) کھا کر بیمار پڑے گا اور فوت ہو جائے گا۔اسے ہم نے بھوت بنالیا ہے۔میاں جی یہ عجیب بات سن کر بڑے حیران ہوئے لیکن دو دن بعد واقعی ایک امیر نوجوان اپنے چند دوستوں کے ہمراہ قصبہ کے سرائے میں آ ٹھہرا۔میاں جی تو پہلے ہی انتظار میں تھے اور کالو کی بتائی ہوئی بات کی صداقت جانچنا چاہتے تھے۔میاں جی نے جا کر اس رئیس زادہ سے ملاقات کی اور اپنی طرف سے رات کے کھانے کی دعوت بھی دی۔اگلے روز رئیس زادہ نے میاں جی کو شام کے کھانے پر بلوایا تو میاں جی نے اپنی طرف سے پیش بندی کرتے ہوئے کہا کہ میں آپ کی دعوت میں ضرور شامل ہونگا لیکن ایک شرط ہے کہ آپ پیلے چاول نہیں پکائیں گے۔اس پر انہوں نے کہا کہ میاں جی پیلے چاول اگرچہ ہم کو بہت پسند ہیں لیکن چلئے آپ کی خوشنودی کی خاطر ہم نہیں پکائیں گے۔میاں جی نے ان مسافروں کے ساتھ مل کر کھانا کھایا اور کافی دیر گپ شپ لگاتے رہے۔اتنے میں اس رئیس زادے کا ایک ملازم آیا جس کے ہاتھ میں پیلے چاولوں کی ایک پلیٹ تھی۔اللہ جانے وہ گاؤں کے کسی گھر سے آئی تھی یا علیحدہ صرف اس نوجوان کیلئے تیار کی گئی تھی۔ملازم نے نوجوان کو علیحدگی میں وہ چاول کھلا دیئے۔میاں جی کا ماتھا ٹھنکا کہ گڑبڑ ہونے والی ہے۔میاں جی تھوڑی دیر اور ٹھہرے اور کافی رات گئے سب کو ٹھیک ٹھاک چھوڑ کر گھر لوٹ آئے۔ابھی چند گھنٹے ہی سو پائے تھے کہ ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔دروازہ کھول کر دیکھا تو رئیس زادے کا ملازم کھڑا تھا اس نے کہا میاں جی ہمارے رئیس زادے کے پیٹ میں شدید درد اٹھا ہے اور ان کی حالت بہت خراب ہے ان کے علاج معالجہ کا کوئی انتظام فرما دیں۔ میاں جی سمجھ گئے کہ جس بات کا خدشہ تھا وہ ہونے والی ہے۔انہوں نے قصبے کے طبیب کو ملازم کے ہمراہ بھجوایا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے کفن دفن کی فکر بھی لاحق ہوگئی۔میاں صاحب نے قصبے کے مولویوں اور دوسرے پڑھے لکھے اور قرآن کے حافظوں کو بھی اکٹھا کرنے کا حکم دے دیا۔صبح ہوتے ہی اطلاع ملی کہ رئیس زادہ صاحب تو فوت ہو گئے ہیں۔میاں جی نے فوری طور پر علماء اور حفاظ کو میت کے پاس بٹھا دیا اور حکم دیا کہ مسلسل قرآن خوانی کی جائے۔جب رئیس زادہ

صاحب کو دفن کیا گیا تو میاں جی نے اس کی قبر پر ایک خیمہ لگوا دیا وہاں بھی حفاظ کو بٹھا دیا کہ تمہیں کھانا اور دوسری سب ضروریات کی چیزیں یہاں ہی ملیں گی لیکن تم نے مسلسل قرآن خوانی کرتے رہنا ہے۔ چنانچہ کئی روز تک اس کی قبر پر دن رات قرآن کریم کی تلاوت ہوتی رہی۔

کچھ دنوں کے بعد ایک شام میاں جی اپنے دوست کے ڈیرے کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں پھر کالو آ نمودار ہوا لیکن حالت یہ تھی کہ سر اور پورا جسم پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا اور مریل سی آواز میں بولا "میاں جی سلام" میاں جی نے کہا کہ کالو تمہیں کیا ہوا اور یہ کیسی حالت بنا رکھی ہے۔ کالو نے جواب دیا "میاں جی! ہم آپ سے نہیں بولتے۔ ہم نے آپ کو راز کی بات بتائی تھی کہ ہم نے اس نام کے مسلمان اور بدکردار رئیس زادہ کو بھوت بنالینا ہے۔ لیکن آپ نے اس کے پاس قرآن پڑھنے والے بٹھا دیئے۔ قرآن کے موکلوں نے مار مار کر ہمارا یہ حال کر دیا ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں اور ہم اسے بھوت نہیں بنا سکے"۔

قبلہ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا "یہ واقعہ بالکل سچا ہے۔ شیطان اپنے لشکر کے ساتھ آخری دم تک انسان کو گمراہ کرنے اور جہنم میں لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس وقت آپ یہ بات سن رہے ہیں۔ بعد میں مجھے یاد نہیں رہتی۔ آپ میری طرف سے دوسرے تمام بھائیوں کو یہ پیغام دے دینا کہ۔

میت کو کبھی بھی اکیلے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

دوسری بات یہ کہ دفن کرنے میں جہاں تک ہو سکے جلدی کرنی چاہئے۔ دور دراز سے آنے والے رشتہ داروں کیلئے دفن میں تاخیر ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔ منہ دیکھنے والی بات بھی فضول ہے۔ کیا مرے ہوئے آدمی کا منہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ مرنے والے کی آخری خدمت ہم یہ کر سکتے ہیں کہ قرآن خوانی کر کے یا مساکین کو کپڑا کھانا یا نقدی دے کر اس کا ثواب اس کی روح کو پہنچایا جائے"۔

اشرفیوں کی تھیلی

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ میرے مرشد

مولانا کریم الدین احمدؒ نہایت ہی سادہ مزاج تھے اوراپنے قصبے ''دھوج''میں بہت ہی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔وہاں ایک کچے احاطے میں تین چار چھپر پڑے ہوئے تھے۔یہی مولانا کا کاشانہ تھا آپ مہینہ میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کیلئے دہلی تشریف لاتے اوربعض اوقات ہفتوں قیام فرماتے۔دہلی میں آپ ہمیشہ چاندنی چوک کے کسی بہترین ہوٹل میں دو تین کمرے کرائے پر لیتے یہاں ہر وقت مریدوں کا تانتا لگا رہتا اور مولانا خودسب کوکھانا کھلاتے۔میں نے مولانا کوکبھی کسی دعوت میں جاتے نہیں دیکھا میں حیران ہوتا تھا کہ بظاہرتو مولانا کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہےتو پھر وہ ہوٹل میں اتنا خرچہ کیسے برداشت کرتے ہیں۔مولاناعصر کی نماز ایک دوسرے کمرے میں ہمیشہ تنہائی میں پڑھتے تھے۔میں نے یہ سوچتے ہوئے کہ شاید مولانا صاحب نے اس کمرے میں کوئی مال رکھا ہوگا ایک دن اصرار کیا کہ میں بھی عصر آپ کے ساتھ ہی ادا کرونگا۔آپ نے اجازت دے دی۔نماز کے بعد مولانا لیٹ گئے اور میں انہیں دبانے لگ گیا۔ساتھ ساتھ کمرے کا بھی جائزہ لیتا رہا لیکن وہاں کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔دباتے دباتے مجھے محسوس ہوا کہ مولانا کی قمیض کی اندرونی جیب میں ایک تھیلی ہے جس میں کچھ دھاتی سکے ہیں۔میں نے آہستہ سے ہاتھ ڈال کر وہ تھیلی نکال لی اور ذرا دور ہٹ کر اسے کھول کر دیکھا تو اس میں خالص تانبے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھےمولانا ہنس پڑے اور فرمایا ادھرلاؤ یہ اشرفیاں ہیں۔میں نے عرض کیا کہ یہ کیسی اشرفیاں ہیں یہ تو تانبے کی ہیں۔مولانا نے مجھےقریب بلایا اورطاق پر رکھی ہوئی چھوٹی سی شیشی لانے کوکہا اس پر پیچدار ڈھکنا تھا جس کے ساتھ ایک برش بھی لگاہوا تھا اوراس کے اندر کوئی تیل نما چیز تھی مولانا نے تانبے کا ایک ٹکڑا لیا اوراس پر برش کے ساتھ وہ تیل لگایا تو وہ خالص سونا بن گیا۔مولانا نےفرمایا کہ اب پتا چلا کہ یہ اشرفیاں ہیں۔

کچھ عرصہ بعد دہلی ہی کے ایک ہوٹل میں میری حضرت مولانا سے تنہائی میں ملاقات ہوئی۔ مولانا نے فرمایا کہ تم نے اللہ کی راہ میں خوب محنت کی ہے اور میری تعلیم پر یکسوئی کے ساتھ عمل کر کے بہت جلد سلوک طے کرلیا ہے میں تم سے خوش ہوں۔میں چاہتا ہوں تمہیں کوئی انعام دوں۔ مانگو کیا مانگتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آپ نے انعام دینا ہےتو اس کا فیصلہ بھی آپ خود ہی

فرمائیں۔اس پر آپ نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سے شیشی نکالی اور مجھے عطا فرمائی۔میں نے عرض کیا کہ یہ کیا ہے؟مولانا نے فرمایا کہ یہ گندھک کا تیل ہے۔اس پر میں نے گذارش کی کہ قبلہ مجھے تو خارش نہیں ہے میں گندھک کے تیل کا کیا کرونگا۔مولانا نے فرمایا۔

ارے بے وقوف! یہ اکسیر ہے اس سے سونا بنتا ہے۔اسے رکھلو اور ساری عمر موج کرو۔میں نے اس شیشی کو اُٹھا کر بڑے غور سے دیکھا اور ہوٹل کے کمرے کی کھلی کھڑکی سے اسے باہر گلی میں پھینک دیا۔اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے کہ تو نے یہ کیا کیا۔میں نے روتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت میں آپ سے اس لئے بیعت نہیں ہوا تھا کہ مجھے سونا بنانا آ جائے لعنت ہو اس مرید پر جو کسی فقیر کے ہاتھ پر اس لئے بیعت ہو کہ دنیا کی دولت ہاتھ آ جائے۔مجھے یہ سب کچھ نہیں چاہئے مجھے تو نقد نارائن جی سے ملا دیں مجھے تو صرف اللہ کی طلب ہے۔اس پر مولانا نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر خوب خوب پیار کیا اور دعا دی کہ تمہاری طلب سچی ہے اور تم مرنے سے پہلے اللہ کے دیدار سے ضرور شرف یاب کئے جاؤ گے۔

حضرت علیؓ کا دیدار

1959ء کی بات ہے۔حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ بنوں سے راولپنڈی آئے ہوئے تھے اور شہر میں قیام پذیر تھے۔ہر شام پیر بھائی وہاں اکٹھے ہوتے اور وعظ و پریم کی مجلسیں جمتیں۔پاکستان ائرفورس کے ایک صاحب فلائٹ سارجنٹ زیڈ۔اے خاں نے حلقہ کے بھائیوں سے آپ کا ذکر سنا تو کہنے لگے کہ میں بھی قبلہ حضرت سے ملنا چاہتا ہوں۔مجھے اور کچھ نہیں چاہئے بس اگر وہ مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا دیدار کرا دیں تو میں ان کا مرید ہو جاؤں گا۔چنانچہ اسی شام وہ حاضر مجلس ہوئے اور اپنا مدعا عرض کرتے ہوئے کہا کہ میرا تعلق شیعہ مسلک سے ہے۔میں نماز اور تہجد باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔بڑی مدت سے میری آرزو ہے کہ حضرت علیؓ کے دیدار کی سعادت حاصل کروں لیکن یہ حسرت پوری نہیں ہوئی۔اس کے بعد مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی اور حاضرین مجلس محظوظ ہوتے رہے۔پھر آپ نے پینے کیلئے پانی طلب فرمایا۔آپ نے اس میں دو گھونٹ خود پی کر گلاس زیڈ۔اے خان صاحب کو دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ''لو پی لو۔آج

رات زیارت ہوجائے گی‘‘۔عشاء کے کافی دیر بعد مجلس برخاست ہوئی اور سب بھائی چلے گئے۔ اگلے روز حسب معمول شام کو مجلس جمی اور خان صاحب بھی نشے میں ڈوبے جھومتے جھومتے تشریف لائے اور یوں گویا ہوئے۔

’’میں رات کو بڑا خوش خوش سو گیا کہ آج میری مراد حاصل ہوجائے گی۔حسب معمول تہجد کے وقت میری آنکھ کھلی تو میں نے کہا کہ رات تو گذر گئی لگتا ہے بابے نے بھی مجھے ٹرخا دیا ہے۔ میں نے وضو کیا تہجد پڑھی اور بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے اونگھ آ گئی میں نے دیکھا کہ جنت میں ہوں اور اس میں سرخ رنگ کی ایک بڑی خوبصورت سڑک ہے جس کے دونوں کناروں پر بہت سے بزرگ ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔میں نے ایک صاحب سے پوچھا کہ آپ لوگ یہاں کس لئے کھڑے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تشریف لا رہے ہیں اور ہم ان کے احترام میں کھڑے ہیں۔یہ سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ مجھے بھی ان کا دیدار کا موقع ہاتھ آ گیا۔ میں بزرگوں کی قطار سے پیچھے ایک درخت کی اوٹ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔تھوڑی دیر بعد قدموں کی آواز آنے لگی۔ایسے لگتا تھا جیسے کوئی جنرل فوجی بوٹ پہنے چل رہا ہو۔جب آواز بالکل قریب آ گئی تو میں نے درخت کی اوٹ سے نکل کر سڑک کی جانب نگاہ اُٹھائی۔میں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ آ رہے ہیں اور ان کی دونوں جانب امام حسنؓ اور امام حسینؓ ہیں سڑک کے کنارے کھڑے تمام بزرگ تو نگاہیں جھکائے کھڑے تھے لیکن میرے شوق نے ہمت بڑھائی تو میں نے آپ کے روئے مبارک کی طرف نگاہ اُٹھانے کی مہم سر کر لی۔حضرت علیؓ نے رُخ میری طرف فرمایا اور ذرا سا مسکرائے۔مجھے ان کے دانت مبارک نظر آئے تو ایک دانت سے نور کی ایک شعاع نکل کر سیدھی میرے دل پر آ لگی کہ میری چیخ نکل گئی اور ساتھ ہی آنکھ کھل گئی۔میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور جسم پسینے سے شرابور تھا۔قلب و روح پر ایسا سرور چھایا تھا کہ مجھ سے سنبھلا نہیں جا رہا تھا۔ابھی کچھ طبیعت اِس نشہ کو برداشت کرنے کے قابل ہوئی ہے۔مجھے اب معلوم ہو گیا ہے کہ اسلام کی حقیقت ہے۔میں آپ کے سلسلے کی تعلیم کی صداقت کا قائم ہو گیا ہوں۔میں سب کو بتاؤں گا کہ حقیقت کیا ہے بلکہ ایران جا کر بھی تبلیغ کروں گا‘‘۔

قبلہ حضرتؒ نے تھوڑا سا پانی دم کر کے خان صاحب کو پلایا تو ان کا جوش ذرا کم ہوا اور روحانی

سرورقابل برداشت ہوگیا۔آپؒ نے مذاق کےطور پر خان صاحب کوفرمایا کہ آپ نے تو جنت میں بھی دیکھ لیا کہ ادب اور تعظیم کیلئے کھڑا ہونے کیلئے ہاتھ باندھ لئے جاتے ہیں لیکن آپ نماز بھی ہاتھ چھوڑ کر پڑھتے ہیں جیسے کوئی لڑنے مرنے کیلئے تیار ہو۔خانصاحب کیونکہ شیعہ تھے اس لئے بیعت تو نہ ہوئے بلکہ حضرت علیؓ کی زیارت کے بعد یہ کہتے ہوئے بھی سنے گئے کہ اب تو میں حضرت علیؓ سے بیعت ہوگیا ہوں۔بہر حال قبلہ حضرتؒ سے کبھی کبھار ملتے رہے لیکن ان کی روحانی کیفیات قائم نہ رہ سکیں۔

خزانے کا پتہ

''ایک مرتبہ میں اپنے ایک رشتہ دار کے ہاں گیا ہوا تھا۔وہ سب جانتے تھے کہ میں راہ فقر کا سالک ہوں۔میرے ایک عزیز نے بتایا کہ یہاں ایک بڑے اچھے صاحب کشف بزرگ حافظ جی کے نام سے مشہور ہیں چلو ان سے آپ کی ملاقات کرواتے ہیں۔راستے میں میرے عزیز نے مجھے ہدایات دیں کہ ایک تو حافظ جی کو سلام نہیں کہنا وہ اس سے بہت چڑتے ہیں۔دوسرے ان کی چارپائی پر نہیں بیٹھنا اور تیسرے ان کے حقہ کو ہاتھ نہیں لگانا۔وہ اپنا حقہ کسی کو پینے نہیں دیتے۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔جب ہم ان کے کاشانہ پر پہنچے تو وہ وہاں موجود نہ تھے اور ان کی کوٹھری کو تالہ لگا ہوا تھا۔وہ تھوڑی دیر کے بعد آ گئے تو انہوں نے خود ہی ہمیں السلام علیکم کہا۔میرا ساتھی بڑا حیران ہوا کہ یہ تو کسی کو سلام کرتے ہی نہیں۔پھر حافظ جی نے دروازہ کھولتے ہوئے فرمایا کہ یہاں تو بس ایک چارپائی ہے،حقہ ہے اور توحید ہے۔ہم بھی اندر چلے گئے اور ان کی چارپائی کے سامنے پڑی ہوئی ایک پتھر کی سل پر بیٹھ گئے۔انہوں نے مجھے کہا کہ آؤ ادھر میرے پاس چارپائی پر بیٹھ جاؤ۔میں نے کہا نہیں میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔چارپائی ویسے بھی جھلنگا سی تھی۔پھر انہوں نے فرمایا کہ چلو آپ کو حقہ پلاتا ہوں۔انہوں نے چلم بھرنے کیلئے حقہ اُٹھایا تو میں نے اپنے ساتھی کو ٹہوکا لگایا کہ تم حقہ بھر کر لاؤ۔حقہ آ گیا تو ہم سب مل کر پینے لگے انہوں نے دریافت فرمایا کہ کیسے آنا ہوا۔میں نے کہا کہ صرف آپ سے ملنے آیا ہوں۔میرے عزیز نے عرض کیا کہ جہاں میں نے بیعت کی ہے وہ کیسے بزرگ ہیں؟اس پر حافظ جی نے ان کے روحانی سلسلہ کا شجرہ پڑھنا

شروع کر دیا اور ایک نام پر آ کر رک گئے اور فرمایا "یہ ہیں آپ کے مرشد۔ یہ تو فوت ہو چکے ہیں اچھے بزرگ تھے"۔ میرے عزیز نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا یہی میرے مرشد تھے اور وہ فوت ہو گئے ہیں۔

میں نے کہا کہ فرید آباد میں مجھے ایک فقیر ملا تھا۔ اس پر حافظ جی فرمانے لگے "وہ جو قبرستان میں بیٹھا تھا، جسے خاکی کپڑے اور فوجی بوٹ پہن رکھے تھے۔ اسے ہم نے ہی بھیجا تھا"۔ میں نے کہا اسے تو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں تھی۔ اس پر حافظ جی نے قہقہہ لگاتے ہوئے فرمایا کہ "فوجی ایسے ہی ہوتے ہیں"۔

پھر حافظ جی نے با اصرار فرمایا کہ آپ بھی کچھ پوچھ لیں۔ میں نے کہا پھر کسی خزانے کا پتہ بتا دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ خزانے کا کیا ہے جہاں سے مرضی ہے کھودنا شروع کر دو خزانہ تمہیں مل جائے گا۔ اب ہم تھے اناڑی، ہمیں یہ خبر نہ تھی کہ فقیر کی بات کو ٹوکنا نہیں چاہیے وہ جیسے کہے اس پر عمل کرنا چاہئے۔ میں نے ان کی بات ٹوکتے ہوئے عرض کیا کہ ایسے کیسے خزانہ مل سکتا ہے۔ آپ کسی خاص جگہ کی نشاندہی فرمائیں۔ انہوں نے کہا اچھا ہم خاص جگہ بتا دیتے ہیں تم ایسا کرو کہ فلاں مندر کے بڑے دروازے کے نیچے چالیس فٹ کھدائی کرو تمہیں خزانہ مل جائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ وہ مندر جو ایک چٹان پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس چٹان کی کھدائی کیلئے ہی ایک خزانہ درکار ہے۔ یہ تو بہت مشکل ہے کوئی آسان سا پتہ بتائیں۔ انہوں نے فرمایا۔ "چلو آسان سا پتہ بتا دیتے ہیں ہائی کورٹ، تیلی کا کولہو، بھوری بھینس کے سینگ اور موتی دانہ بس یہی ہے خزانے کا پتہ"۔

ہم نے خزانہ کیا ڈھونڈنا تھا لیکن میرے عزیز نے ضرور کوشش کی۔ اس قصبہ کے باہر کسی تباہ شدہ بستی کے آثار و کھنڈرات تھے اس نے وہاں جا کر لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں کوئی جگہ ہائیکورٹ کے نام سے مشہور ہے انہوں نے کہا ہائی کورٹ تو نہیں البتہ فلاں کھنڈر کو سب لوگ قاضی کی حویلی کہتے ہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی ہائی کورٹ ہے۔ اِسی علاقہ میں گھومتے ہوئے اسے ایک چٹان نظر آئی جسکی ہیئت کولہو کی طرح تھی۔ اس سے اس کا مزید حوصلہ بڑھا تو وہ تیسرے نشان یعنی بھوری بھینس کے سینگ ڈھونڈنے لگا۔ ایک جگہ زمین سے تھوڑا باہر نکلا ہوا ایک سینگ نظر آیا۔ اسے کھودا تو بھینس کی پوری کھوپڑی نکل آئی۔ اس نے چند مزدور بلوا کر اس کے نیچے زمین

کھدوائی تو چند فٹ کی گہرائی پر پتھر کی ایک سل دکھائی دی۔اسے ہٹایا تو نیچے سے ایک صندوق نکلا اسے کھولا تو اس کے اندر بھینسوں کے گلے میں ڈالنے والے چینی مٹی کے بنے ہوئے موٹے موٹے رنگ برنگے موتی تھے۔اسے بڑی مایوسی ہوئی۔وہ چند موتی اٹھا کر ساتھ لے آیا اور باقی مزدور لوگ لے گئے۔گھر میں بچے ان موتیوں سے کھیلتے رہے۔ایک دن بچے نے پتھر مار کر موتی توڑ دیا تو اندر سے خالص سونا نکلا۔کسی نے سونے کو چھپانے کیلئے اوپر مٹی چڑھا رکھی تھی۔بس اس کی قسمت میں نہیں تھا تو ہاتھ آیا ہوا خزانہ بھی نکل گیا''۔

سوانح نگاروں کا ظلم

ایک دن بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''قبر پرستی، پیر پرستی اور بزرگوں کو مافوق الفطرت ہستی جاننے میں سوانح نگاروں کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ اولیائے کرام کے حالات و واقعات کو قلمبند کرنے والے عام طور پر ان کے مرید ہوتے ہیں اس لئے وہ اپنے بزرگوں کی زندگی کا تنقیدی جائزہ لینے کی بجائے اسے صرف عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ان سے سرزد ہونے والی کرامات کے فسانے خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔اسی طرح اللہ والوں کی قبولیت دعا کے واقعات بھی اثر انگیز طریقوں سے تحریر کئے جاتے ہیں۔جب کوئی قاری اولیاء اللہ کے تذکروں میں مسلسل ایسے واقعات پڑھتا ہے کہ فلاں بزرگ کے پاس ایک لاعلاج مریض حاضر ہوا تو انہوں نے اس کے لئے دعا کی تو اس کی بیماری دور ہوگئی۔ایک شخص آیا جس کی شادی کو بارہ برس گزر گئے تھے لیکن اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔پیر صاحب نے اسے پانی دم کر کے پلایا اس کی بیوی کو سیب دم کر کے کھلایا تو اس کے اولاد ہوگئی۔ ایک خاص مجلس میں قبلہ حضرت پر ایک لمحہ کیلئے ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آپ نے پاس بیٹھے ہوئے احباب سے فرمایا۔''مانگو کیا مانگتے ہو'' اس وقت جس نے جو کچھ مانگا اسے وہی مل گیا۔جسے روحانی بزرگی مانگی اسے وہ مل گئی اور جس نے پیسہ مانگا وہ چند برسوں میں کروڑ پتی بن گیا۔وغیرہ وغیرہ تو اس کے ذہن میں لازمی طور پر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اللہ والے بزرگ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں وہ بگڑی ہوئی تقدیریں بناتے اور جس چاہیں عطا کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہر چیز کا

اختیار دے دیتا ہے۔ وہ مرنے کے بعد بھی اپنے ماننے والوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے منصب پر فائز رہتے ہیں"۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ اوپر دئے گئے واقعات من گھڑت اور جھوٹے ہیں۔ بخدا اس قسم کی کرامات بزرگوں سے صادر ہوتی رہتی ہیں بلکہ ان سے بھی عجیب تر واقعات کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور اللہ والوں کی دعا سے ناممکن قسم کے کام بھی ممکن ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ صرف ایک رُخ ہے۔ بزرگوں کی زندگی کے اس جزوی مطالعہ کی وجہ ہی سے خدا کے یہ مخلص بندے خود خدا دکھائی دینے لگتے ہیں۔ سوانح نگاروں نے ان کی زندگی کے صرف ایک پہلو پر روشنی ڈال کر بڑا ظلم کیا ہے۔ انہیں چاہیے تھا کہ ان بزرگوں کی پوری زندگی کا جائزہ لیتے اور ان کو جن جن مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا وہ بھی بیان کرتے۔ جو جو بیماریاں آئیں وہ بھی لکھتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور انہوں نے جو بہت سی دعائیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں کیں ان کا بھی ذکر کرتے۔ اس طرح ان کا تذکرہ پڑھنے والوں پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ اولیائے کرام اپنی روحانی بزرگی کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہی تھے۔ جہاں ان کی دعائیں قبول ہوئیں اور ان سے کرامات کا ظہور رہا وہاں کئی دعائیں اور التجائیں اللہ تعالیٰ نے نامنظور فرما دیں۔ اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ منظور فرما لے تو ناممکن سے ناممکن کام بھی ہو جاتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو اس پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ خود میری اتنی کرامات ہیں کہ لکھنے بیٹھو تو ایک کتاب بن جائے لیکن ہم انہیں وقعت نہیں دیتے۔ ہم تعلیم اور اخلاق پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اگر اخلاق اچھا نہ ہو تو روحانی طاقت بھی فضول ہے کیونکہ اس سے انسان ولی الرحمٰن بننے کی بجائے ولی الشیطان بن جاتا ہے۔ میری دعاؤں سے کئی ایک بیماروں کو شفا اور بے اولادوں کو اولاد عطا ہوئی۔ شاہدرہ والے ڈاکٹر صادق کی بھینس دودھ دینے نہیں دیتی تھی میں نے اسے کہا کہ جا کر بھینس کے کان میں کہہ دو کہ انصاری صاحب کہتے ہیں کہ دودھ دے دو۔ تو اس نے فوری طور پر دودھ دینا شروع کر دیا۔ پشاور میں ایک مرتبہ بجلی چلی گئی۔ میں سویا ہوا تھا لیکن جو پنکھا میرے لئے لگا رکھا تھا وہ بدستور چلتا رہا اور بیسیوں بھائیوں نے دیکھا۔ یہ سب کچھ کون کرتا ہے اللہ کرتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے تب ہی ایسا ہوتا ہے

ہر وقت ایسا نہیں ہوتا۔ یہی کرامات کی حقیقت ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے ہوئیں اور ہوں گی۔ جب اللہ چاہتا ہے کہ کہ بزرگ سے کوئی کرامت سرزد ہو تو اس کی طاقت عارضی طور پر اس کے دے دیتا ہے۔

کرامات وغیرہ کی طاقتیں اولیاء کی ذاتی طاقتیں نہیں ہوتیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب بندے ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے سے نوع انسان کو ہدایت ملتی ہے۔ اس لئے ہمیں ان کی عزت اور محبت کرنی چاہیے۔ نہ تو ان کو خدا اور مشکل کشا سمجھنا چاہیے اور نہ ہی ان کے متعلق کبھی کوئی برائی دل میں لانی چاہیے۔ میری اپنی زندگی میں کتنی ہی مصیبتیں آئیں لیکن میں کسی کو بھی دور نہ کر سکا۔ ملازمت کے دوران جب میں شملہ میں تھا تو گھر میں چوری ہوگئی۔ چور سب کچھ لے گئے اور گھر کا صفایا ہو گیا۔ ایک مرتبہ بغیر کسی قصور کے نوکری سے نکال دیا گیا اور مجبوراً ہڈیوں کا کاروبار کرنا پڑا اور کچھ عرصہ قیام ایک جنگل میں رہا۔ کئی ایک بیماریاں لگیں جن میں چند ایک نے کافی طول کھینچا۔ اب بھی کتنی ساری ہیں کس کس کا نام لوں۔ اب آخری وقت اور بڑھاپے میں اللہ میاں نے ٹانگ کی ہڈی توڑ دی ہے۔ ایک ہی جوان بیٹا تھا اسے اللہ نے واپس بلا لیا۔ عبدالستار خاں کیلئے میں نے بڑی دُعائیں کیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بیٹا دے لیکن نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ ایک مرتبہ میرے پاس سیب آئے تو میں نے دم کر کے ایک سیب بیگم ستار کو بھیجا کہ اسے کھا لے۔ مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اولاد نرینہ سے نوازے گا۔ اتفاق سے ان کے پاس کوئی مہمان عورت آئی ہوئی تھی انہوں نے سیب اسے کھلا دیا اور اللہ نے اسے فرزند عطا فرمایا۔ اب بتاؤ جب اللہ ہی نہ چاہے تو کیا ہو سکتا ہے۔ اس پر کسی کا زور نہیں چلتا وہ جو چاہے کرے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ الغرض زندگی میں ہر قسم کی مشکلات آئیں۔ کبھی کچھ ہوا بس صرف فاقے نہیں آئے ان کا مجھے انتظار ہی رہا۔ یہ ہے زندگی کا دوسرا رُخ جو سوانح نگاروں کو چاہیے کہ اپنے قارئین کو ضرور دکھائیں تا کہ وہ جان لیں کہ اولیائے کرام اپنی بزرگی اور عظمت کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہی تھے اور بندے کا کام ہے کہ ہر حال میں اپنے آقا سے خوش رہے اور کبھی بھی حرف شکایت اپنی زبان پر نہ لائے"۔

خواجہؒ کا خصوصی خط

سالکین کیلئے نادر نسخہ

(بنام اصغر علی صاحب 60-1-19)

جولوگ کہنا پوری طرح مانتے ہیں اور بتائی باتوں پر عمل کرتے ہیں ہمیشہ دین و دنیا میں سرخرو رہتے ہیں۔ جو شکایتیں کرتے رہتے ہیں اور خود کچھ نہیں کرتے وہ یہاں بھی نقصان اُٹھاتے ہیں اور وہاں بھی اُٹھائیں گے۔ سارجنٹ محمد صاحب پر خاص توجہ کرنا۔ مگر ان کو خوب سمجھا دیں کہ اللہ کا ملنا کسی محبوب مجازی کا ملنا نہیں ہے کہ دو چار ماہ اس کے گھر کے چکر لگائے اور کچھ روپیہ خرچ کیا اور دیدار حاصل ہو گیا۔ وہ تو اگر عمر بھر بھی نہ ملے اور مرتے وقت ایک جھلک نظر آ جائے تو بھی بہت سستا سودا ہے کیونکہ اس کے بعد ایسے طالب کا حشر اللہ کی گود کے سوا کہیں نہیں ہو گا۔ بس یہی خاص ہدایت ان کیلئے ہے کہ جلدی بالکل نہیں کریں۔ کہنے کے مطابق عمل کرتے رہیں۔ اخلاق کا تزکیہ کریں۔ غصہ اور نفرت سے دل کو پاک کریں اور **تبتل الیہ تبتیلا** پر پورا عمل کریں۔

ایک معزز مہمان کو بلانا ہو تو آپ گھر کو خوب صاف کرتے ہیں۔ کوڑے کرکٹ، میل مٹی اور گرد سے گھر کو پاک کرتے ہیں سفیدی کراتے ہیں پھر سجاتے ہیں۔ اللہ کا گھر انسان کا دل ہے۔ لہٰذا جب تک دل کو ان کے تشریف لانے کے قابل نہیں بناؤ گے وہ کیسے آئیں گے اور دل کی میل مٹی اور کوڑا کرکٹ یہی غم، غصہ، غیبت، غرور، حسد، نفرت، بدگوئی، بدظنی وغیرہ جیسی باتیں ہیں۔ ان سب کو نفی کرو اور ذکر و عبادت کی سفیدی اس میں کراؤ اخلاق حسنہ کے پھولوں (جس میں محبت اور صداقت سب سے اچھے پھول ہیں) سے اسے سجاؤ۔ پھر دیکھو کہ وہ کیسے جلوہ آرا نہیں ہوتے۔ میری تمام حلقے والوں کو پہلی نصیحت ہی یہ ہوتی ہے کہ اپنا اخلاق رسول اللہ ﷺ جیسا بناؤ۔ زبان شیریں ہو۔ حرکات ملائم و شائستہ ہوں۔ سب سے محبت ہو، حق پر قائم رہو، برائی کا بدلہ بھلائی سے اور سختی کا جواب نرمی سے دو۔ خدمت کرو اسی کا نام نیکی اور ولایت اور بزرگی ہے۔ قلب میں لاکھ گرمی ہو، جذب ہو، کشف ہوتا ہو، کرامات سرزد ہوتی ہوں اگر اخلاق اچھا نہیں تو یہ سب محض

شیطانی باتیں ہیں۔ اخلاق اچھا ہو تو یہی رحمانی صفات ہیں۔

اِن سے کہیں کہ اپنی کیفیات گاہ بگاہ مجھے لکھتے رہیں اور ہدایات پر عمل کرتے رہیں۔ دنیا کے کام اور منصبی ڈیوٹیاں ایمانداری، جوش، خوشی اور خوش اسلوبی سے انجام دیں۔ ہر وقت اللہ کو یاد رکھیں اور اس سے محبت بڑھاتے رہیں۔ اللہ کے سوا کسی کو قادر یا تقدیر بنانے اور بگاڑنے والا نہ مانیں۔ عزت البتہ سب بزرگوں کی کریں۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ یہ خط اور سب کو بھی سنا دیں۔ آپ کے دنیا کے کام بھی انشاء اللہ رفتہ رفتہ سب درست ہو جائیں گے۔ دنیا کے خیالات کو اللہ کی یاد پر ہرگز غالب نہ آنے دینا''۔

دُعائے مغفرت

آدمکے چیمہ کے بھائی جاوید بٹ (خادم حلقہ) کے والد صاحب قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔

سردار غلام قادر آف رہاڑ (مانسہرہ) کے پیر بھائی اِنتقال کر گئے ہیں۔

قبلہ عبدالحکیم انصاریؒ کے نواسے جناب مسرور الحسن صاحب (کراچی) قضائے الٰہی سے اِنتقال کر گئے ہیں۔

تمام بھائیوں سے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطوط

خالد مسعود توحیدی

اخلاق و شرافت کا نام فقر ہے

(بنام محمد قاسم صاحب 15/1/64)

''مولوی عارف صاحب کو میری طرف سے کہہ دیں کہ ہمارے حلقہ میں کسی فقیر وغیرہ کو لے کر نہ آیا کریں ورنہ ان کیلئے اچھا نہ ہوگا۔ وہ تو فقر کو مذاق جانتے ہیں۔ بہرحال اب جو صاحب آ گئے ہیں یا آئندہ آ جائیں تو ان سے بداخلاقی سے پیش آنا بھی برا ہے۔ یہ لوگ نہ فقیری سے واقف ہیں نہ آداب سلوک سے۔ فقر تو سراسر اخلاق ہے۔ یہ لوگ اخلاق کی الف، بے، تے بھی نہیں جانتے۔ دستور اخلاق میں کہاں جائز ہے کہ کسی مجلس میں بغیر بلائے چلے جاؤ۔ اور اگر چلے بھی جاؤ تو وہاں جا کر اپنی طاقت اور علم کا مظاہرہ کرو۔ یہ نہایت ہی جاہل اور احمقوں کا کام ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ اور عارف صاحب سے تو میں اس بات پر بہت ناراض ہوں۔ ان سے کہہ دینا اور دل چاہے تو یہ خط بھی پڑھ دینا۔ میں لوگوں کو اخلاق محمدی ﷺ سکھاتا ہوں اور یہ وہی لفنگا پن سکھاتے ہیں۔ آپ اس ملنگ کو منع کر دیں کہ ہمارے ہاں مت آیا کرو اس سے ہمارے حلقہ کی سنجیدگی اور متانت میں فرق پڑے گا۔ ولایت میں شرافت کا پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جو شریف نہ ہو وہ ولی اللہ کیسے بن سکتا ہے۔ روحانی طاقت کا پیدا ہونا ولایت نہیں ہے یہ تو کافروں میں بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب تک شرافت نہ ہو، آداب سلوک و آداب مجلس نہ آتے ہوں، اخلاقی برائیوں اور خوبیوں کا پتہ نہ ہو یعنی جب تک شرافت کی تکمیل نہ ہو ولایت کی چوکھٹ تک بھی آدمی نہیں پہنچتا۔ یہ سب جاہل لوگ ہیں۔ آپ کو ان سے ڈرنے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں''۔

''شریفوں میں طاقت آ جاتی ہے یا اختیار مل جاتا ہے تو وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتے، تنگ نہیں کرتے بلکہ خدمت و تعمیر میں مصروف رہتے ہیں۔ کمینوں کو طاقت مل جاتی ہے تو وہ لوگوں

کو دکھاتے، شیخی مارتے اور ستاتے پھرتے ہیں۔ دوستوں کو سلام محبت کے بعد کہہ دیں کہ روحانی طاقت بلند کرنے کیلئے اخلاق بلند کرنا ضروری ہے۔ اس کا خیال رکھیں"۔

سختی و بداخلاقی کے مقابلے میں نرمی و خوش خلقی

(بنام اکبر مغل صاحب 30/11/71)

"اخلاق کو بہتر بنانے کیلئے میں نے طریقت توحیدیہ میں لکھ تو دیا ہے۔ آپ پڑھتے کیوں نہیں کہ غصہ او نفرت کو بالکل نفی کر دو اور سب سے محبت کرو اور جو کام کرو حق کرو۔ جو کوئی آپکے ساتھ زیادتی یا سختی کرے یا بداخلاقی سے پیش آئے اس کے ساتھ اتنی ہی زیادہ نرمی، خوش خلقی اور نیکی سے پیش آؤ"۔

اخلاق پر زور

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 71-12-2)

"اِس میں کوئی شک نہیں کہ فتح ہمیشہ انہی کی ہوتی ہے جن کا اخلاق مدمقابل سے اچھا ہو۔ اسی لئے روحانی طاقت کے مقابلہ میں اخلاق پر زیادہ زور دیتا ہوں۔ ورنہ بداخلاق آدمی میں کتنی ہی روحانی طاقت آ جائے، وہ دنیا کو نقصان ہی پہنچاتا ہے فائدہ نہیں پہنچاتا۔ آپ بھی سب بھائیوں کو گاہ بگاہ اخلاق سدھارنے کی تعلیم دیتے رہیں اور ترکیب بھی بتایا کریں"۔

ایثار و محبت

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 63-3-18)

"احمدی حضرات کا کیا کہنا۔ ایک صریح گمراہ کن راستہ پر چلتے ہوئے اتنا ایثار کرتے ہیں (آمدنی کا 10 %) کہ جس کی مثال مسلمانوں کی کسی جماعت میں نہیں ملتی اور عیسائی تو ہیں ہی مجسم ایثار و محبت۔ آپ کو چاہئے کہ حلقہ ذکر کے بعد اہل حلقہ کو ایسی ہی باتوں کی تبلیغ کیا کریں"۔

کرامتیں نہیں اللہ کا قرب

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1966-3-4)

"میری کراماتیں تو ہزاروں ہیں۔ کتاب میں لکھی جائیں تو کئی سو صفحات کی کتاب بن

جائے۔مگر میں اس کو پسند نہیں کرتا اور میرے حلقہ والے بھی جو یہ کرامات دیکھتے ہیں زیادہ پروا نہیں کرتے۔لڑائی (1965ء پاک بھارت جنگ) کے دوران بیسیوں کے خط آئے کہ ہم نے آپ کو اپنے پاس دیکھا۔آپ نے ہماری مدد کی وغیرہ۔ابھی منگلا ڈیم سے ایک صاحب نذیر احمد ملنے آئے تھے۔صرف یہ بتانے کو کہ میں بجلی گھر میں سپروائزر ہوں میں نے غلطی سے ننگے تار کو پکڑ لیا جس میں 440وولٹ کی بجلی دوڑ رہی تھی۔تار پکڑتے ہی جو محسوس ہوا تو زور سے پکارا ''انصاری صاحب'' اور فوراً سارے کارخانے کی بجلی بند ہوگئی اور میرا ہاتھ چھوٹ گیا۔یہ سب فضول باتیں ہیں۔ہمارا حلقہ تو اصلاح کرنے اور خدا کا قرب حاصل کرنے کیلئے بنایا گیا ہے کرامتیں دکھانے کیلئے نہیں''۔

قبولیت اللہ کے ہاتھ میں ہے

(بنام مخدوم ریاض حسین 26-12-64)

''آپ مجھ سے غلط قسم کی توقعات رکھتے ہیں۔مجھ کو نہ علم غیب ہے نہ اللہ کے خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہیں۔نہ میں اپنا برا بھلا کرسکتا ہوں نہ کسی دوسرے کا۔صرف ٹیچر ہوں۔ جو کوئی اللہ اللہ سیکھنا چاہے اسے سبق دے دیتا ہوں۔وہ یاد کرے تو اس کی ترقی ہو جاتی ہے۔ نہ کرے تو میں کچھ نہیں کرسکتا۔دُعا کرسکتا ہوں سووہ میں کرتا رہتا ہوں۔قبولیت اللہ کے ہاتھ میں ہے میں اللہ کو مجبور نہیں کرسکتا''۔

گیارھویں شریف

(بنام محمد قاسم صاحب 27-2-64)

''محمد اکرم صاحب کے اکتالیس روپے آپ نے لے لئے اچھا کیا۔انکار کرنا بھی اخلاق نہ تھا۔وہ گیارھویں والے آدمی ہیں ہمارا اِنکا نباہ نہ ہوگا۔ویسے آپ دیکھ لیں میں گیارھویں کے خلاف تو نہیں ہوں لیکن یہ لوگ جو عقیدہ حضرت غوث الاعظمؒ سے رکھتے ہیں اور جس نیت سے گیارھویں کراتے ہیں اس کے خلاف ہوں۔گیارھویں تاریخ کی تخصیص کے بھی خلاف ہوں''

اللہ کا انتظام

(بنام محمد قاسم صاحب 65-3-4)

''پھر بھی موت کا وقت کسے معلوم ہوتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں خدا جانے کس وقت بلاوا آ جائے۔ میں مر بھی جاؤں تو آپ کا سلوک تو مکمل ہو کر رہے گا۔ یہ کوئی میرے ہاتھ میں نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کا اپنا انتظام ہے۔ جیسے ہر ایک کا رزق مقرر کیا ہوا ہے ایسے ہی ہر ایک کی روحانی ترقی مقرر کی ہوئی ہے۔ آپ کیلئے جو کچھ ہے مل کر رہے گا''۔

مصائب و تکالیف

(بنام مخدوم ریاض حسین صاحب 62-2-3)

''کیا بات ہے آپ کو اس قسم کی تکالیف پہنچتی رہتی ہیں۔ غور کریں آپ نماز وغیرہ نہیں پڑھتے یا خیرات وغیرہ نہیں دیتے۔ جو لوگ اپنی کمائی میں سے خیرات نکال دیتے ہیں ان کو مالی تکالیف نہیں ہوا کرتیں''۔

(بنام محمد قاسم صاحب 62-1-9)

''آپ کبھی غور کریں کہ آپ کوئی کام تو نہیں کرتے جس سے رزق کم ہوتا ہے۔ اگر آپ نماز نہیں پڑھتے تو پھر تنگی رزق کی شکایت فضول ہے کیونکہ جو اللہ کا پاس انفاس کرتا ہے اور درود شریف اور نماز نہیں پڑھتا اس پر ہمیشہ رزق کی تنگی رہتی ہے۔

(بنام مخدوم ریاض حسین صاحب 62-2-25)

''اگر آپ غور کریں تو پریشانیاں 10 فیصدی قدرت کی طرف سے ہوتی ہیں اور 90 فیصدی انسان خود اپنے آپ پیدا کرتا ہے۔ عقلمندانہ علاج صرف یہ ہے کہ ان پریشانیوں کے نتائج خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور آئندہ کیلئے عبرت حاصل کرے، توبہ کرے اور ایسے کام نہ کرے جس سے پریشانیاں پیدا ہوں۔ باقی رہیں وہ پریشانیاں جو قدرت ڈالتی ہے تو ان پر چونکہ اختیار نہیں اس لئے وہ بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرنی چاہئیں بلکہ ان پر تو خوش ہونا چاہیے کہ اللہ نے مجھ کو اس قابل سمجھا کہ آزمائے کیونکہ آزمائش سزا نہیں ہوتی بلکہ ٹریننگ اور تربیت کیلئے ہوا

کرتی ہے اوران کی ہوتی ہے جن کو ترقی دینا مقصود ہوتی ہے"۔

(بنام محمد قاسم صاحب 63-1-12)

آپ کی پریشانیوں کا حال پڑھ کر بہت دُکھ ہوا لیکن اس طرح کبھی میں اپنی پریشانیاں رسالدار صاحبؒ سے بیان کرتا تھا تو وہ بہت خوش ہوتے تھے اور بہت ہنستے تھے۔ کبھی انہوں نے یہ دعا نہ کی کہ اللہ یہ پریشانیاں دور کرے۔ لیکن میں آپ کیلئے دُعا کرتا رہتا ہوں کہ اللہ یہ پریشانیاں دور کرے اور نعمتوں سے نوازے۔ آپ یہ غور کریں کہ کوئی کام حلقہ کے قواعد یا اللہ کے حکم کے خلاف تو نہیں کر رہے۔ آپ یا آپ کی بیگم۔ اگر کوئی ایسی بات ہو تو اس کو دور کریں۔ دوسرے جہاں تک ہو درود شریف بہت پڑھا کریں۔ آپ بھی اور ثریا بیٹی بھی"۔

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 63-3-18)

"جو اپنا فرض ادا کرتے ہیں ان کی آزمائش اللہ نہیں کرتا۔ آزمائش کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اللہ جاننا چاہتا ہے کہ یہ آدمی فلاں کام کا اہل ہے یا نہیں۔ کیونکہ وہ تو عالم الغیب ہے سب کچھ جانتا ہے۔ آزمائش کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی خود جان جائے کہ میں تو اپنے آپ کو بڑا کامل جانتا تھا لیکن جب امتحان ہوا تو معلوم ہوا کہ میں تو کچھ بھی نہیں۔ دوسرا مقصد آزمائش سے ٹریننگ ہوتا ہے کہ انسان میں وہ خوبیاں پیدا ہو جائیں جو بڑے بڑے کام کرنے کے لئے بڑے آدمی میں ہوتی ہیں۔ مثلاً قوت برداشت کے بغیر انسان دو قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔

داتا صاحبؒ کی روح

(بنام عالمگیر صاحب 71-1-25)

"ہمارے بھائی نے جس آدمی محمد الیاس کی بابت لکھا ہے وہ تو پاگل ہے۔ ایک بچے کے ذریعے داتا صاحب کی روح کو بلاتا ہے اور اس بچے سے باتیں پوچھ کر بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ داتا صاحبؒ کو اللہ کے برابر علم غیب تھا۔ تعجب ہے کہ ہمارا یہ بھائی ایسی باتوں پر یقین کر لیتا ہے اور اس آدمی سے فیض اُٹھانا چاہتا ہے"۔

روح کا مقام

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 63-2-6)

''روح کا مقام انسانی جسم میں دماغ کا بطن اول ہے ۔وہاں ایک بلب کی صورت میں اس کی شعاع کا آخری سرا قائم ہوتا ہے ۔باقی جسم میں اس کی روشنی ہوتی ہے ۔اس لئے دماغ جب تک باقی رہے جان باقی رہتی ہے چاہے کوئی عضو کٹ جائے ۔اگر سر کٹ جائے تو دماغ الگ ہو جاتا ہے اور بدن مر جاتا ہے مگر دماغ اڑھائی سال تک کام کرتا رہتا ہے ۔مگر اعضا نہ ہونے کی وجہ سے اس کا اظہار نہیں کرسکتا''۔

سیلانی اور مقامی روح

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 63-1-25)

''قرآن کریم میں جو سوتے میں روح قبض کر لینے کا بیان ہے وہ استعارتاً بیان ہوا ہے ۔آدمی حقیقتاً خواب میں زندہ ہی رہتا ہے صرف حواس پنجگانہ مر جاتے ہیں ۔لیکن درحقیقت وہ بھی نہیں مرتے ۔کیونکہ آدمی جو خواب دیکھتا ہے اس میں کام کرتے رہتے ہیں ۔اس لئے نیند کو موت سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔اس کے سوا کچھ بھی نہیں ۔روح ایک ہی ہے سیلانی اور مقامی والا خیال غلط ہے ۔شاہ ولی اللہؒ کہیں یا کوئی اور ۔باقی اعمال کا لکھا جانا تو وہ پہلے انسان کے دماغ میں اور پھر معنوی طور پر اس کی روح میں ہی لکھے جاتے ہیں ۔یعنی ان کا اثر روح قبول کر لیتی ہے ۔قرآن میں ہے کہ انسان کے برے اعمال سجین اور نیک اعمال علیون میں ہیں ۔سجین اور علیین کیا اور کہاں ہیں یہ لمبا قصہ ہے کبھی زبانی پوچھ لینا''۔

توبہ اور نماز

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1966-3-4)

''لوگوں کو توبہ اور نماز کی ہدایت کرتے رہیں ۔بظاہر تو حالات بہت خراب ہیں لیکن ۔

اسے فضل کرتے نہیں لگتی بار
نہ ہو اس سے مایوس امیدوار

یک در گیر و محکم گیر

(بنام محمد غوث صاحب 25-1-51)

''جتنے بھی بزرگ گزرے ہیں سبھی کہہ گئے ہیں کہ ''یک در گیر و محکم گیر'' یعنی ایک ہی کا ہو کر رہنا چاہئے اور جب اس سے پیٹ بھر جائے اور پھر طلب سے زیادہ نہ مل سکے تو دوسرے کے در پر جانا چاہئے۔ فیض کے مختلف رنگ ہوتے ہیں کوئی خالص موحد ہوتا ہے مگر شرع کا پابند نہیں ہوتا۔ کوئی شرع کی پابندی کے ساتھ موحد ہوتا ہے۔ کوئی بت پرست ہوتا ہے یعنی سب پیروں فقیروں کو دل میں بسائے رکھتا ہے۔ کوئی اللہ کے رسول سے زیادہ محبت رکھتا ہے۔ کوئی اخلاق میں کامل ہوتا ہے۔ کوئی اخلاق کا گندہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہر در سے فیض لینا اچھی بات نہیں۔ اس میں آدمی کہیں کا بھی نہیں رہتا۔ میں نے آپ کا خط آنے سے پہلے ہی غیور کو لکھ دیا تھا کہ یہ اچھا نہیں ہے باقی اس کی مرضی۔ غیور نے اپنی اس عادت سے بہت نقصان اٹھایا ہے اور ابھی اور اُٹھائے گا۔ میں تو ان لوگوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ اب اللہ ہی ان کو ہدایت کرے۔ میرا کہنا تو یہ لوگ مانتے نہیں''۔

دو کشتیوں میں سفر

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 7-2-64)

''میں نے ماسٹر نذیر صاحب کے دوست رشید صاحب کو لکھ دیا ہے کہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ کر دریا کا سفر کرنے والا ہمیشہ ڈوبتا ہے۔ اب وہ جانیں اور ان کا کام۔ سیدھی بات یہ ہے کہ وہ انکی بیعت فسخ کر کے ہمارے حلقہ میں شامل ہو جائیں۔ یوں تو ان کے پیر دوسری جگہ اجازت تو کبھی بھی نہ دیں گے۔ کون اجازت دیا کرتا ہے''۔

اللہ اللہ کرنے سے پہلے

(بنام غوث محمد صاحب 1-1-1956)

(1) نماز پانچ وقت اطمینان سے پڑھیں (2) پاؤ پارہ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کریں اگر عربی نہ آتی ہو تو صرف ترجمہ پڑھیں (3) چلتے پھرتے ہر وقت درود شریف ''**صلی اللہ علیک یا محمد** '' پڑھتے رہا کریں اور با وضو رہیں (4) جھوٹ نہ بولیں (5) غصہ کسی حالت میں کسی پر نہ کریں۔ (6) نفرت کو دل سے بالکل نکال دیں۔

اللہ اللہ کرنے کا طریقہ

(بنام غوث محمد صاحب 1956-2-24)

''اب آپ یہ کریں کہ ہر سانس سے اللہ اللہ کہا کریں۔ جو سانس اندر جائے اس سے بھی ''اللہ'' اور جو باہر آئے اس سے بھی ''اللہ''۔ زبان سے نہ کہیں۔ دل سے کہیں اور کان سے سنیں۔ فجر، مغرب یا عشاء کی نماز کے بعد ''لا الہ الا اللہ'' کا ذکر کیا کریں۔ چاہے بلند آواز سے چاہے آہستہ اور ہر وقت اللہ کو یاد رکھنے کی کوشش کریں۔ کام کاج میں اور کسی سے باتیں کرتے ہوئے اگر اللہ اللہ ہر سانس سے نہ ہو سکے تو ہرج نہیں مگر خالی وقت میں کوشش کریں کہ کوئی سانس یادِ خدا سے خالی نہ جائے۔ ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کہنے کو پاس انفاس اور ''لا الہ الا اللہ'' کے ذکر کو نفی اثبات کہتے ہیں''۔

تلاوت قرآن کا طریقہ

(بنام غوث محمد صاحب 24/2/1956)

''قرآن کی تلاوت کا قاعدہ یہ ہے کہ پہلے بلند آواز سے پاؤ یا آدھا پاؤ یا آدھا جتنا پڑھنا ہو پڑھو اور ترجمہ وغیرہ کا خیال نہ کرو۔ مگر یہ خیال کرو کہ یہ میری آواز نہیں بلکہ اللہ کی آواز ہے۔ وہ خود پڑھ رہا ہے اور میں سن رہا ہوں (یعنی تم سن رہے ہو) جتنا تمہارا دل چاہے اور وقت اجازت دے پڑھو۔ کوئی حد مقرر نہیں۔ جیسے بتایا ہے اس طرح پڑھ کر جب ختم ہو جائے تو پھر اس کا ترجمہ پڑھو اور ایک نوٹ بک پاس رکھو۔ جو بات پسند آئے اس کا حوالہ اور ترجمہ اس میں لکھ لو''۔

نماز کے ساتھ کرنے والے کام

(بنام محمد قاسم صاحب 1960-7-17)

''نماز کے ساتھ جو کام کرنے ہیں وہ یہ ہیں''۔

- ☆ غصہ کم کرو اور رفتہ رفتہ بالکل ختم کر دو۔
- ☆ نفرت کسی سے نہ کرو۔
- ☆ یاد رکھو کہ جو باتیں آپ کی مرضی کے خلاف آپ کو پیش آتی ہیں اور جن کو آپ

مصیبت کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کا دشمن نہیں ہے بلکہ یہ مصیبتیں ڈال کر تم پر پرانی نعمتوں کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں۔

☆ چوتھی چیز یہ کہ ہمیشہ خوش رہا کرو۔

☆ یہ کہ سب سے نرمی اور محبت سے پیش آؤ۔

☆ سستی بالکل نہ کرو۔ خوب جوش سے عمل کرو۔ فی الحال یہی باتیں کافی ہیں۔

کنونشن کیلئے چندہ

(بنام محمد قاسم صاحب 16-6-1963)

''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ کنونشن کیلئے ہر حلقہ کچھ نہ کچھ چندہ ضرور دے۔ جو کچھ جمع ہو گا وہ کنونشن خرچ کیلئے میاں محمد علی صاحب کو دے دیا جائے گا۔ اور جو کمی رہ جائے وہ محمد علی صاحب برداشت کرلیں گے۔ اس طرح ان پر پورا بار نہ پڑے گا جیسا کہ پچھلے سال پڑا تھا۔ اس تجویز پر (Seriously) غور کر کے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں''۔

یہ غیبت نہیں کہلاتی

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 12/1/1962)

''آپ نے بٹ صاحب کی بابت جو لکھا ہے درست ہے۔ یہ غیبت نہیں کہلاتی کیونکہ حلقہ کے انچارج کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے کہ آپ اس قسم کی باتیں بلکہ ہر وہ بات جو حلقہ کے قواعد کے خلاف ہو جو کوئی بھی کرے مجھے ضرور بتائیں۔ ورنہ آپ اپنے فرض میں کوتاہی کریں گے۔ میں بٹ صاحب کو آج ہی خط لکھ رہا ہوں''۔

قدرت کی طرف سے سزا

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 25-2-1962)

''ریاض صاحب سے کہہ دینا کہ حلقہ میں رہنا ہے تو اس قسم کی حرکتیں نہ کریں ورنہ قدرت کی طرف سے سزا ملے گی''۔

طلب صادق یا سوڈا واٹر کا اُبال

(بنام اکبر مغل 1971-2-11)

''میں اس طرح بیعت نہیں کیا کرتا۔ پہلے آپ طالب بنیئے۔ اوراد، اذکار اور دیگر تعلیم جو طریقت توحیدیہ میں لکھی ہوئی ہے پر عمل کیجئے۔ برس دو برس عمل کر کے دکھایئے تا کہ مجھے معلوم ہو کہ آپ کی طلب سچی ہے۔ سوڈا واٹر کا اُبال نہیں ہے۔ پھر جب آپ کے دل میں روحانیت پیدا ہو جائے گی تو میں بخوشی بیعت کر لوں گا۔ یہ آپ پر منحصر ہے کہ کتنا عرصہ لگتا ہے''۔

ہمارے ہاں ذکر کا طریقہ

(بنام محمد قاسم 1960-7-9)

''ہم تو طریقہ ہی ایسا بتاتے ہیں جس سے دنیوی کاموں میں بالکل فرق اور حرج واقع نہیں ہوتا۔ یعنی چوبیں گھنٹے میں جتنا وقت خالی ملے اس میں اللہ اللہ کہیں۔ اور کسی ایک نماز کے بعد ایک یا دو تسبیح ''لا الہ الا اللہ'' کے ذکر کی کر لیا کریں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں دنیوی امور کس طرح رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے اور جو نہیں چاہتا اس کیلئے حیلے ہزاروں ہیں،،

یہ بہت اونچا ذکر ہے

(بنام محمد مرتضیٰ 1970-7-26)

''اِس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے معمول کے نفی اثبات کے ذکر کی طرح ''لا الہ'' کہہ کر ''الا اللہ'' کی ضرب قلب پر لگائیں۔ پھر ''لا الہ'' نہ کہیں بلکہ ''سبحان اللہ'' کہہ کر ضرب دا ہنی طرف چھاتی سے دو انگل نیچے لطیفہ روح کے مقام پر لگائیں۔ پھر تیسری ضرب ''الا اللہ'' کی فوراً ہی بغیر ''لا الہ'' کہے قلب پر (بائیں جانب) لگائیں۔ اس کے بعد پھر لا الہ سے شروع کریں اور پہلے ''الا اللہ'' کی ضرب داہنے اور پھر بائیں بھی لگائیں۔ مگر سبحان اللہ کہتے وقت اللہ کی تمام صفات کا خیال رکھیں۔ یعنی اس ذات کا جس میں کوئی صفت نہیں۔ یہ بہت اونچا ذکر ہے اور ذات سے تعلق پیدا کرنے کیلئے کیا جاتا ہے''۔

تہجد اور ذکر کے بارے میں ہدایات

1۔ تہجد

☆۔ (بنام غوث محمد صاحب 24/2/1956)

تہجد کی نماز نہیں ہوسکتی تو نہ سہی پانچ وقت کی نماز ہی کافی ہے۔

☆۔ (بنام محمد صدیق ڈار صاحب 4/12/1959)

تہجد ہوسکے تو پڑھ لیا کریں۔نہ ہو تو فکر نہ کریں بہت وقت پڑا ہے۔

☆۔ (بنام غوث محمد صاحب 4/1/1956)

ذکر تہجد کی نماز کے بعد بہتر ہے۔اس وقت کیا کرو۔وتر تہجد کے بعد ادا کرو۔

2۔ ذکر

☆۔ (بنام محمد صدیق ڈار صاحب 4/11/1959)

جو ذکر پاس انفاس اور نفی اثبات کا آپکو بتایا گیا ہے اس پر پوری طرح عامل رہیں۔علاوہ ازیں غصہ اور نفرت کی نفی کرنے کی کوشش میں لگے رہیں۔اسکے علاوہ دنیا کے تمام غم والم کے تاثرات سے دل کو متاثر نہ ہونے دیں۔مطلب یہ ہے کہ ان باتوں کی کوشش کرتے رہیں۔گو یہ باتیں دو چار دن میں نہیں ہو جاتیں برسوں لگ جاتے ہیں۔حال پر خوش رہنا سیکھو ماضی کو بھول جاؤ اور مستقبل کی بہتری کیلئے کوشاں رہو۔قوت برداشت یعنی صبر کی قوت کو برابر بڑھاتے رہو۔ ذکر کے علاوہ وقت ملے تو تلاوت اور تہجد وغیرہ بھی پڑھ لیا کریں۔

☆۔ (بنام جمیل اختر صاحب 12/6/1972)

مکمل نفی نہیں ہوتی تو جیسی ہو کرتے رہو۔نفی کی مشق کا خاص طریقہ یہ ہے کہ رات کو جب سونے لگو تو دماغ کو ہر خیال سے خالی کر کے سو جایا کرو۔رفتہ رفتہ کامل نفی کی عادت پڑ جائے گی۔

☆۔ (بنام اکبر مغل صاحب 26/10/1971)

ذکر وغیرہ اور نماز کو اپنی عادت بنالو۔یہ تو مرتے وقت تک کا شغل ہے عارضی شے نہیں ہے۔

☆۔ (بنام غوث محمد صاحب 4/1/1956)

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ چلتے پھرتے اللہ کو یاد رکھنے کی کوشش کرو۔

☆۔ (بنام مخدوم ریاض حسین صاحب 12/2/1962)

رمضان میں حلقہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔البتہ اپنے اکیلے اکیلے جتنا زیادہ ذکر کوئی کرے گا اتنا ہی اجر اور فیض حاصل کرے گا۔

☆۔ (بنام محمد صدیق ڈار صاحب 4/12/1959)

حلقہ کرنے میں گرمی کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے تو بند کر دیں یا کسی اور مناسب جگہ کرلیا کریں ورنہ یونہی کرتے رہیں۔بجلی کا پنکھا لگا لیا کریں۔ہم بھی بند کمرے میں کرتے ہیں۔

☆۔ (بنام محمد مرتضٰی صاحب 26/9/1965)

اگر ذکر کرنے سے تکلیف ہو یا بے ہوشی طاری ہونے لگے تو جذب نا قابل برداشت ہو جائے تو ذکر بند کر کے درود شریف آہستہ زبان میں پڑھنا چاہیے۔ورنہ جب تک حواس قائم رہیں اور مزہ آتا رہے ذکر جاری رکھا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ہر کام قابل برداشت حد تک کرنا چاہیے۔جس کام سے عقل سلب ہونے کا خطرہ ہو اس کو فوراً چھوڑ دینا چاہیے۔

☆۔ (بنام محمد قاسم صاحب 19/9/1960)

اور اللہ اللہ کرتے رہیں جیسی بھی ہوتی ہے۔کمزوری اور تساہل وغیرہ کی زیادہ پروا نہ کریں۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ معاصرین کی نظر میں

(1)

ایک دردمند، صاحب دل اور اہل حسن و محبت انسان تقریباً نصف صدی سے اِس فکر و عمل میں مشغول ہے کہ ملت اسلامیہ کی تعمیر نو کا سلسلہ محکم بنیادوں پر استوار کیا جا سکے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ دشوار کام توحید اور محبت ہی کے ذریعے پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔ ان کا نام گرامی عبدالحکیم انصاری ہے اور تحریک سلسلہ توحیدیہ کے بانی ہیں۔ ان کا مقصود نظر اپنے ''اِلٰہ'' کی دید ہے جو محض حسن و رحمت ہے۔ محبت میں جب احسان شامل ہو جاتا ہے تو اِسے رحمت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اِسی طرح ان کی زندگی کا مقصد اپنے ''اِلٰہ'' (معبود محبوب اور مطلوب مقصود) اور رب العالمین (یعنی جو تمام جہانوں کی مخلوقات کی نشو و نما کرنے والا آقا) کے بندوں کے دلوں میں عدل و انصاف اور ایثار و قربانی کے سوتے پھوٹتے اور مزرعِ حیاتِ انسانی کو سرسبز و شاداب کرتے ہیں۔

خواجہ صاحب کو اِسی لئے میں ''اہل حسن و محبت'' کہتا ہوں اور ان کے مسلک اور مشن دونوں کو قابل قدر اور قابل تقلید سمجھتا ہوں۔ اِس قحط الرجال کے زمانے میں اہل علم اور صاحب دل انسان کہاں ملتے ہیں؟ کہاں ہیں وہ لوگ جو محض ''رضائے دوست'' کی خاطر، اُس کے بندوں کو اُس کے رنگ میں رنگنے کیلئے اپنی زندگی وقف کر دیں؟ ایک مدت سے میری آرزو تھی کہ میں ''انسان'' کو دیکھوں، ایسے ''انسان کو جس کا دل حسن، محبت اور سرور سے معمور و منور ہو''۔

بقول علامہ اقبالؒ۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

مجھے بھی ایسے ہی ''انسان'' کی طلب و جستجو تھی جس کی تلاش دانائے راز مولانائے رومؒ کو تھی اور جس کی آرزوئے دید کا اظہار انہوں نے اِس طرح کیا ہے۔

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
از دام و درملولم و انسانم آرزو ست

گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما!
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزو ست

آخر وہ دن بھی آیا کہ میں نے وہ ''انسان'' خواجہ انصاری صاحب کی صورت میں دیکھ لیا۔
لہٰذا ان کی باتیں بہت دلنشیں ہیں۔ دل میں حق کی طلب و جستجو ہو تو بادہ گفتار دو آتشہ بن جاتا ہے۔ خواجہ صاحب بصیرت افروز نکتے بیان کرتے ہیں اور اس بے تکلفی کے ساتھ کہ اہل ذوق و نظر کو لطف سوا ملتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ خواجہ صاحبؒ کی تعلیم ان لوگوں کیلئے قابل اعتماد رہنا ہے جنہیں اس الحاد پرست دور میں حق و صداقت کی تلاش ہے۔

خواجہ صاحب کی یہ بات بڑی ہی خیال آفرین ہے کہ صوفی اور فلسفی دونوں کو حق کی تلاش ہوتی ہے۔ اِس اعتبار سے تصوف و فلسفہ ایک ہی مسلک کے دو نام ہیں، لیکن فلسفی عقل کے ذریعے حقیقت کا ادراک کرنا چاہتا ہے اور صوفی وجدان کے ذریعے۔ اِس لحاظ سے فلسفہ اور تصوف دو جداگانہ مسلک ہیں۔ دونوں کی منزل مقصود اگرچہ ایک ہی ہے مگر راہیں مختلف ہیں۔

خواجہ صاحب کے اِس موقف کی تائید اور قارئین کی دلچسپی کیلئے مشہور فلسفی ابن سینا اور مشہور صوفی ابوسعیدؒ کی ملاقات کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔

بوعلی سینا فلسفی تھے اور ابوسعیدؒ اہل حال صوفی۔۔۔ ایک مرتبہ دونوں کی ملاقات ہوئی، جس کا ذکر ''اسرار توحید'' میں یوں آیا ہے۔

بوعلی سینا اور ابوسعیدؒ دونوں کو ایک مرتبہ مل بیٹھنے کا اتفاق ہوا، تین دن کی مجلسی صحبت کے بعد بوعلی سینا وہاں سے رُخصت ہوئے۔ بوعلی سینا کے شاگردوں نے اِن سے پوچھا ''آپ نے شیخ سعیدؒ کو کیسا پایا''؟ آپ نے کہا ''جو کچھ میں جانتا ہوں وہ ابوسعیدؒ دیکھتا ہے اور ابوسعیدؒ کے مریدوں نے جب ان سے دریافت کیا کہ ''آپ نے بوعلی سینا کو کیسا پایا''؟ تو آپ نے جواب میں کہا ''جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ جانتا ہے''۔

(مرزا مقبول بیگ بدخشانی: ادب نامہ ایران، لاہور)

صوفی کی راہ اِن لوگوں کی راہ ہے جو اس پر چل کر منزل مقصود پر پہنچ گئے، اِس لئے قرآن مجید کی زبان میں یہ ''صراط مستقیم'' ہے، یعنی اِن لوگوں کی حسین راہ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام و

اکرام کیا اور انہیں حقیقی کامیابی نصیب ہوئی۔

اِس عہد میں طریقت کو عموماً ذکرو اذکار کا ایک ایسا نظری مسلک سمجھا جاتا ہے۔ جس میں عمل کو چنداں اہمیت نہیں دی جاتی۔ عمل سے مراد اجتماعی زندگی میں بھرپور حصہ لینا ہے۔ خواجہ صاحب کے نزدیک طریقت وشریعت میں کوئی فرق نہیں، بلکہ یہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ نام کا فرق محض اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ سالک شریعت پر قائم رہ کر ''دید دوست'' کی طلب و جستجو میں اپنی توجہ تزکیہ نفس پر مرکوز کر دیتا ہے تا کہ اس کا قلب حسین ومنور بن جائے اور وہ اس حسن ونور کے ذریعے اپنے ''دوست'' کے حسن کا مشاہدہ کر سکے۔ خواجہ صاحب طریقت کو ''دید دوست'' تزکیہ نفس اور تعمیر ملت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ طریقت کو اصحاب صفہ کا مسلک خیال کرتے ہیں جو بیک وقت طالبان علم وحکمت، دائم الصائم، قائم الیل اور مجاہد بھی تھے۔ وہ دنیا میں رہتے ہوئی بھی اس کی محبت میں مبتلا نہ تھے بلکہ انہیں محبت تھی تو اپنے ''الہٰ'' سے، اپنے ہادی ومرشد پیغمبر اعظم و آخر ﷺ سے، اپنے مسلمان بھائیوں سے اور تمام بندگان خدا سے۔ یاد الہٰی اور تلاوت قرآن مجید ان کا وظیفہ حیات تھا۔ ملت کو جب اغیار کی طرف سے خطرہ درپیش ہوتا تو وہ شہادت کی آرزو میں میدان وفا میں کفن بردوش جاتے تھے۔

خواجہ صاحب کے فلسفہ طریقت کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کا قلب حسین ومنور ہو جائے تو اس سے محبت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں اور یہ محبت ہی ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کا دوست اور انسانیت کا محسن بناتی ہے۔ نیز محبت ہی ملت بیضا کے احیاء کا بہترین ذریعہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اہل حسن ومحبت ہی اس دنیا میں حسین انقلاب لاتے رہے اور تعمیر ملت وانسانیت کرتے رہے ہیں۔ خواجہ صاحب نے اہل حسن ومحبت بننے کے جو طریقے بتائے ہیں، وہ سہل، سادہ، نیز شریعت اور فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہیں۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر (ایم اے ڈی لٹ)
سیکرٹری، اُردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
پنجاب یونیورسٹی
26 شعبان 1394ھ، 14 دسمبر 1975ء

(2)

خواجہ صاحب سے میری ملاقات ایک عجیب انداز میں ہوئی! ہم ریلوے کلب کے ''سوئمنگ پول'' میں نہا رہے تھے کہ ایک سرخ و سفید گول مٹول سے نوجوان تیرتے ہوئے میری طرف آئے اور مجھ سے انگریزی میں کہا ''کیا آپ ایسے فرد سے ملنا چاہیں گے جو خدا کو بہت قریب سے جانتا ہے اور جس کے پاس روح کی غذا کا ایک ایسا فریش سٹاک ہے جو اس سے پہلے نہ کسی نے دیکھا، نہ چکھا نہ اپنے وجود کو اس سے تقویت عطا کی'' ۔۔میں نے کہا ''مجھے ان کا پتہ دیجئے'' ۔کہنے لگے ''میں ساتھ لے چلوں گا'' ۔میں نے کہا آپ تو نہا کے، کپڑے بدل کے، چائے پی کے چلیں گے ۔میں ابھی جاتا ہوں،،۔

تالاب سے نکل کر میں سیدھا ماڈل ٹاؤن پہنچا اور خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا ۔وہاں کچھ لوگ ان کے گرد گھیرا ڈالے پرانی وضع کی کرسیوں، دو موڑھوں اور ایک چارپائی پر بیٹھے تھے ۔میں بھی سلام کر کے بیٹھ گیا ۔خواجہ صاحب نے چونک کر پوچھا ''کون؟'' ۔میں نے انہیں اپنا نام بتایا اور انہوں نے ریڈیو کے مشاہیر کی باتیں شروع کر دیں ۔میرے باس ذوالفقار بخاری سے لے کر بندو خان سارنگی نواز اور جوش، جگر، سیماب، نظام کے بے شمار قصے بیان کئے ۔میرا خوف دور ہو گیا اور میں ہفتے میں دو تین بار ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگا اور پھر یہ سلسلہ ان کی وفات تک اسی طرح سے چلتا رہا۔

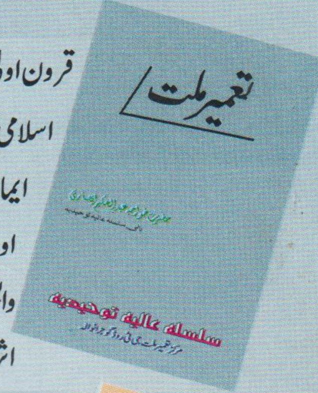
دورِ جدید کے صوفیوں میں خواجہ صاحب کا مقام اس اعتبار سے بہت بلند ہے کہ انہوں نے تصوف کے ڈسپلن کو عملی صورت میں پیش کر کے ان آرزومندوں کیلئے بڑی آسانیاں پیدا کر دی ہیں جو باطن کے سفر کے راہرو بننے کے خواہشمند ہیں ۔ان کے تصوف کے کورس کا سلیبس بہت سادہ، مختصر، قابلِ عمل اور آسان ہے ۔اسے آج کے مصروف دور میں سہوت کے ساتھ اختیار کیا جا سکتا ہے اور اس کے عمل کا فوری رنگ نظر کے سامنے دیکھا جا سکتا ہے ۔اس میں محنت کی اس قدر

ضرورت نہیں پھر جب ذاتِ بحت سے ان کا گہرا ربط ہوا تو وہ نظم وضبط، تادیب وترتیب اور خود احتسابی پر اور بھی زور دینے لگے۔ وہ تصوف کے میدان میں صرف عمل کے قائل ہیں کہ ان کے خیال میں راستے کی باتیں کرتے رہنے سے راستہ طے نہیں ہوتا۔

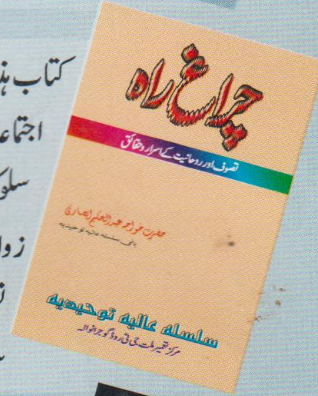
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستیوں میں

اشفاق احمد
''داستان سرائے''
121۔سی ماڈل ٹاؤن لاہور

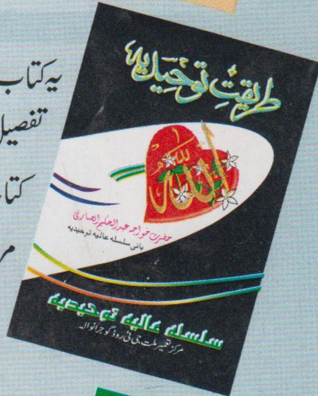
بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



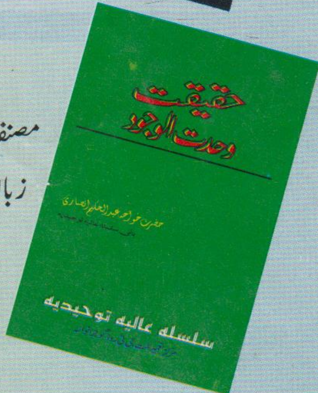
قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net